

انتساب

اپنے روحانی استاد، استادوں کے استاد، خدائے سخن ”میر تقی میر“ کے نام

ریختہ رتبے کو پہنچایا ہوا اس کا ہے
معتقد کون نہیں میر کی استادی کا

سخن آباد

نام کتاب :	سخن آباد
انتخاب :	انورزیب انور (0331-5703912)
صفحات :	
کمپوزنگ :	لیاقت علی گمان الم (0342-0637379)
تعداد :	500
اشاعت :	فروری 2023ء
ناشر :	اپووا پبلیکیشنز
قیمت :	500 روپے

150	20	اعجازِ بطحی
168	21	عظیم باجوه



”سخن آباد“ کا ایک جائزہ

”سخن آباد“ نوجوان ادیب و شاعر انور زیب انور کی نہایت عمدہ ادبی کاوش ہے اگرچہ انور زیب انور خود بھی ایک صاحبِ طرز شاعر ہیں اور ان کی کتاب اپنا لوہا منوا چکی ہے۔ لیکن ”سخن آباد“ کے نام سے انہوں نے جو کاوش کی ہے یہ مختلف شعراء کے کلام کا ایک خوبصورت گلدستہ ہے، اپنے اس ملک ”سخن آباد“ میں اٹھارہ کے قریب لکھاریوں کو حوالہ بنایا ہے ان میں سے ہر ایک شاعر اپنے طرز سخن کا اچھا ترجمان ہے۔ خاص طور پر مضافاتی ادب کو اس انتخابی مجموعہ کلام کی زینت بنانے پر انور زیب انور مبارک باد کے مستحق ہیں۔

”سخن آباد“ میں سب سے پہلے محترم نوید اقبال کو موضوع بحث بنانے کے ساتھ ساتھ ان کے کلام کو جگہ دی گئی ہے جو نعت گوئی کے حوالے سے اپنی خاص پہچان رکھتے ہیں۔ اردو کے علاوہ پنجابی زبان سے انہیں خصوصی رغبت ہے لیکن موجودہ کتاب میں ان کا صرف اردو کا کلام شامل کیا گیا ہے۔ ان کے اشعار نہایت خوبصورت ہیں خاص طور پر یہ اشعار دیکھیں۔

فہرست

شمار	شعراء اکرام	صفحہ نمبر
1.	تبصرہ نگار خالد نقاش	4
2.	تنہال لالکپوری ہوائے گلش (تبصرہ دوم)	18
3.	نوید اقبال	19
4.	ڈاکٹر محبوب کاشمیری	27
5.	شمیرین	36
6.	انور زیب انور	44
7.	تنویر اقبال	57
8.	لبنی	66
9.	ظفر کمالوی	75
10.	پروفیسر محمد خالد کھوکھر	83
11.	فقیر عباس تاجر	91
12.	شہرین و فافراز	100
13.	سجاد اختر خان	109
14.	عمران حسین پاشا	118
15.	اسامہ اکبر زیب	127
17.	منہاہل راجپوت مٹی	136
18.	لیاقت علی گمان الم	144
19.	لیاقت بھٹہ جتوئی	153

اس نے پانی پر میرا نام لکھا
جیسے کوزہ بنا کے توڑ دیا

آئینے کو عقب سے دیکھنا تھا
سامنے سے اسے سنوتے ہوئے

ڈاکٹر محبوب کا شمیری لاجواب شاعر ہیں لیکن کبھی کبھار وزمرہ سے بغاوت کرتے ہوئے
محسوس ہوتے ہیں۔

شہر کراچی سے تعلق رکھنے والی ثمرین خان کے کلام کو اس کتاب میں بہترین تعارف کے
ساتھ پیش کیا گیا ہے ان کے کئی اشعار اسلوب کی انفرادیت کی بنا پر چونکا دینے والے ہیں ذرا دیکھیے

آسماں کو زمیں پہ بھول گئی
اک گماں کو یقین پہ بھول گئی

اک تیرے پچھڑنے پہ یہ احساس ہوا ہے
ہر شخص یہاں چھوڑ کے جانے کے لیے ہے

کیا میری عبادت بجز خاکِ مدینہ
کیا میری مناجات بجز خاکِ مدینہ

علم و ہنر ہو، رزق ہو یا ہوں محبتیں
جو بانٹتا ہے ان کو، کبھی مانگتا نہیں

مار ڈالا ہمارے رشتوں کو
بات نے بات سے جنم لے کر

نوید اقبال کی منتخب کردہ شاعری زیادہ تر چھوٹی بحر کی ہے جس میں تمام زمینیں بہت متغزل ہیں کہیں
کہیں شاعر اپنی زمین کے حصار میں بھی کھڑا دکھائی دیتا ہے۔

آزاد کشمیر کے ڈاکٹر محبوب کا شمیری کے کلام کو اس کے بعد جگہ دی گئی ہے جنہوں نے
بچوں کے ادب سے آغاز کیا اور ”عکسِ آب“ جیسی کتاب کے تخلیق کار بنے، کچھ کتب کے تراجم بھی
ڈاکٹر محبوب کا شمیری کے سلسلہ ادب میں بہترین اضافہ ہیں۔ بہت سہولت سے شعر کہتے ہیں۔ کچھ
اشعار پیش نظر ہیں:

محبت کی طلب ہوتی نہیں تھی
ملے تھے جب، محبت کرنے والے

ہم بھی تاریخ کے اوراق میں زندہ رہیں گے
جینا آتا ہو تو مرنے کی ضرورت کیا ہے

شرین خان کا تعلق ایک ذرخیز زمین سے ہے لہذا ان سے یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ
ادب میں مخصوص اسلوب کے لیے ایسے مشق جاری رکھیں گی۔

”سخن آباد“ میں انور زیب انور کا کلام کتاب کی زینت بنا ہے جن کے نام کے ساتھ کئی
اعزازات آتے ہیں اور اس نوجوانی میں دو کامیاب کتب کو تصنیف کرنے کے ساتھ ساتھ وہ علمی اور
ادبی میدان میں مزید کئی خدمات سرانجام دے رہے ہیں جس میں سے ایک ادبی کاوش آپ کے
ہاتھوں میں موجود ہے۔ حوالے کے لیے ان کے چند اشعار دیکھیں۔

ایک تجھ سے نباہ کی خاطر
ہر کسی سے جھگڑ رہا ہوں میں

بولتا میں تو آگ لگ جاتی
بس میں سنتا رہا ، خاموش رہا

کیوں اٹھتے نہیں تیرے قدم میری گلی تک
ہم پھر بھی چلے آئیں ہیں اس سمت کم و بیش

انور زیب انور کی شاعری سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ منطق کو بنیادی حیثیت دیتے ہیں اور ایسا
کرنے میں ان کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ مشکل زمین کا انتخاب کریں اور اپنی اس کوشش میں وہ
کامیاب بھی ہیں۔

آگے چلیں تو تنویر اقبال تنویر شہر ”سخن آباد“ میں براجمان ہیں، تنویر ایک ذود گو شاعر ہیں اور
اردو و انگریزی میں نو کے قریب کامیاب تصانیف کے قلم کار ہیں ان کی برجستہ شاعری میں سے کچھ
اشعار ملاحظہ ہوں

آگ بھڑکی خیالِ یار کی یوں
اک دھواں سا کہیں اٹھا دل میں

میرے سب سوالوں کا بر ملا جواب ملا
زخم سی رہا ہوں خود، اب یہی دوا بھی ہے

تنویر اقبال تنویر کی ذود گوئی کے بعد محترمہ لبنی غزل صاحبہ کا کلام ”سخن آباد“ میں شامل کیا گیا ہے، کراچی
سے تعلق رکھنے والی لبنی غزل صاحبہ نعت، مرثیہ، مناجات اور غزل پر مضبوط گرفت رکھتی ہیں۔ نمونہ کلام
دیکھیں۔

سیرتِ پاک سے پائی ہے ہدایت جس نے
اس کے قدموں کے تلے باغِ ارم ہوتا ہے

احمد پورلمہ کے پروفیسر محمد خالد کھوکھر کا کلام اس مجموعہ کلام ”سخن آباد“ میں دیکھ کر بہت خوشی ہوئی ان کے اساتذہ سے بھی پرانی یادیں ہیں اور ماشاء اللہ بہت عمدہ شعر کہتے ہیں۔

زندگی میں عجب معاملہ ہے
صرف محرم ہی ساتھ رہتا ہے

ویسے بھی اپنا کوئی ٹھکانہ ہے نہیں
تیری ہی شاخِ دل پہ ٹھکانہ بنائیں گے

نہ وہ ہمارے ہوئے تھے نہ ہم کسی کے تھے
مگر یہ طے ہے کہ سارے ہی غم کسی کے تے

شفیق چہرے اور دھیمے لہجے والے شاعر فقیر عباس تاجر اردو اور پنجابی میں برابر اچھا شعر کہتے ہیں دو کامیاب کتابوں کے خالق فقیر عباس تاجر کے جو اشعار دل کو بہت بھائے آپ بھی پڑھیں اور لطف لیں۔

وقت کا تھا ، پہیہ چلتا رہا
حسن آخر غریب ہوتا گیا

بجھا ہے اپنا دیا تب خبر ہوئی تم کو
روشِ ہواؤں کی ہر چند یہ پرانی ہے

خدا نے عقل و خرد سے یکساں نواز رکھا ہے گر بشر کو
مرا تخیل تیری رضا کا غلام کب تک رہے گا آخر؟

اس کے بعد محترم نظف کمالوی کا مصورانہ کلام ”سخن آباد“ کتاب میں شامل کیا گیا ہے اور مصوری کی ہی طرح اشعار میں محکاتی رنگ نمایاں ہیں اس کے علاوہ جا بجا وہ اس قدر ترقی پسند دکھائی دیتے ہیں جیسے وہ کہہ رہے ہوں کہ ہاں میں باغی ہوں۔ ان کے خوبصورت اشعار دیکھیں۔

زیرِ مبادلہ کی دیکھی ہے زبوں حالی
خبر ہے موت کی وادی چلا گیا اک شخص

جب ہاتھ کو ہاتھ پر رکھے بیٹھا ہوں
میں ظلمتِ شب کو پھر گوارا کر لوں

ضبط کے ساحلوں پر قافلہ ہے آہوں کا
مل گئے لوگ ہمیں دل کو دکھانے والے

وچیت شخصیت کے مالک ضلع مانسہرہ سے سجاد اختر خان کا کلام بھی حسن اتفاق سے اس کتاب ”سخن آباد“ کا حصہ ہے انتہائی حساس ذہن کے مالک سجاد اختر خان بلاشبہ اچھے ترقی پسند نوجوان ہیں ان کا کلام دیکھیے

غمِ محبوب ہی تو زیست کا حاصل نہیں پیارے
الم کچھ اور بھی تو ہیں غمِ دلدار سے آگے

خون پی چکے ہیں گوشت غریبوں کا کھا چکے
ہڈیاں بھی چبا لیجئے نہ شرمائیے حضور

راہِ وفا میں چار قدم بھی نہ چل سکے
کہتے ہیں سر اٹھا کے وفادار ہیں ہم لوگ

فیصل آباد سے تعلق رکھنے والے شاعر عمران حسین پاشا انتہائی دل جمعی سے شعر کہتے ہیں مسرت کی بات ہے کہ اس کتاب انور زیب اور نے ان کا کلام بھی شامل کرنا مناسب سمجھا ہے، ان کا اندازِ بیاں دیکھیں

کیونکر وہ پوچھتا نہیں بوڑھے شجر کا حال
شاید اسے ضرورتِ سایہ نہیں رہی

مرتے نہ انا پر، نہ رویوں پہ کبھی لڑتے
انسان کو انسان کی پہچان اگر ہوتی

میرے گھر کی گلی میں اب
اندھیرے راج کرتے ہیں

استادگری کے شعبہ سے وابستہ شہر کراچی کی شہزین و فافرا نے محترم عبداللہ خالد صاحب کی رہنمائی میں بہت عمدہ کلام کہا ہے، جس کا کچھ حصہ اس کتاب میں شامل ہے جہاں کئی اشعار بلا سبب توجہ کھینچتے ہیں۔

ابھی تو محشر پرے ہے جاناں خراب حالی درست کر لو
گناہ سارے ثواب کر کے کما لیے یا کما رہے ہو؟

نہ جانے کتنے ہی صدموں ڈوبا ہو گا ایسا گھر
جہاں اطفال ہوں لیکن درتچے بند رہتے ہوں

زمیں ہماری جنہیں کھینچنے کی جلدی ہے
نظر اٹھائیں تو اپنی اڑان دیکھیں گے

ہے جو اتنا بھی آسان نہیں ہے۔ ذرا ان اشعار کو دیکھیے۔

صنفِ نازک ہوں میں حالات سے ڈر لگتا ہے
عمرِ کچی ہے تو ہر بات سے ڈر لگتا ہے

یہ آنکھ اب روتی ہے اور دل یہ دہائی دیتا ہے
وہ میری جاں کا دشمن اب کیوں مجھ کو صفائی دیتا ہے

اک نام کو لکھ کر مہندی سے
اسے چومتی رہتی ہیں آنکھیں

”گمان“ اور ”آلم“ جیسے دو منفرد تخلص رکھنے والے لیاقت علی کا کلام بھی اس ”سخن آباد“ کی زینت بنا ہے۔ لیاقت علی کا تعلق شیروں کے شہر منڈی بہاؤ لدین سے ہے۔ آپ کی شاعری مضبوط، توانا اور منجھی ہوئی ہے۔ آپ کا تخیل تو بلند ہے ہی، الفاظ کا چناؤ بھی بہت اعلیٰ کرتے ہیں۔ اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

مری مشکلوں میں گزری ہے حیات اور تو بھی
مجھے لگ رہا ہے اب تو کسی امتحان جیسے

تمہارے نام پر میں نے خودی کو وار ڈالا ہے
شکایت کا جو موقع دوں، میرے گیسو پکڑ لینا

دن رات سوچتا ہوں کہ اب تیرا کیا ہوں میں
کیا مجھ کو جانتی ہو تم، کیا تم کو جانتا ہوں میں؟

کٹے درخت کا دکھ پوچھ اس پرندے سے
خس بریدہ سے جو گھونسلا بناتا ہے

باتوں میں اس کا ذکر میری بے سبب نہیں
منسوب اس کے ساتھ سبھی واقعات تھے

نوجوان شاعر اسامہ اکبر زیب کا تعلق ضلع بہاول پور نگر سے ہے۔ موضوعات میں اگرچہ تنوع دکھائی دیتا ہے لیکن چند رشتے ان کی شاعری کا محور ہیں جن سے اسامہ نے آفاقیت تخلیق کی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

عقل و خرد لیے ہوئے حیران ہونے کو
ہم اس جہاں میں آئے پریشان ہونے کو

ایک خوش رنگ مکاں میرے تصور میں تھا پر
وہ زمیں بیٹھ گئی میرا مکاں ہونے تک

اس کے قصے میں مرا نام و نسب تھا ہی کیا
میں بس شخص فلاں سے تھا فلاں ہونے تک

”سخن آباد“ کی کوچہ نوردی کرتے آگے چلیں تو شہر اوکاڑہ سے تعلق رکھنے والی شاعرہ منال راجپوت منی کا معصومانہ کلام بھی اس انتخاب میں شامل ہے۔ انہوں نے بیشتر ادب معروف زمینوں پر تخلیق کیا

عداوتیں نہ رہیں زندگی عذاب نہ ہو
یہ سالِ نو جو یہاں آشتی کا باب بنے

نشاطِ گل کو ترسا ہوں آج گلشن میں
چہار سو نظر آتے ہیں خار خار مجھے
”سخن آباد“ کے آخری کوجے میں ضلع سیالکوٹ سے تعلق رکھنے والے عظیم باجوہ جیسے درد مند دل رکھنے
والے لکھاری کا کلام بھی شامل ہے ان کا کلام دیکھیں

جو طبیعت میں ذرا گرم روی ہے میری
اختلافات مسلسل میں کئی ہے میری

سامع میرے شعروں کو غزل سمجھا ہے لیکن
کرتا ہوں میں خود سے ہی سوالات مسلسل

گھر کے بوڑھے اور شجر سر سبز رہتے ہیں سدا
زندگی کی دھوپ میں دونوں ہی کے ہیں سائے خوب

انور زیب انور کے تیار کردہ اس زنگین اور منفرد مجموعہ انتخاب کلام ”سخن آباد“ کع میں نے حرف بہ حرف
پڑھا ہے اوع سمجھنے کی کوشش کی ہے اگر چہ گاہے گاہے زبان و بیان کے سقم بھی نظر آتے ہیں لیکن من

ضلع مظفر گڑھ سے لیاقت بھٹے جتوئی کا منفرد کلام داخلی رجحانات رکھتا ہے ان کے ہاں روحانیت،
وارفتگی اور واردات قلبی اہم ہیں۔

قادر کریم تُو ہے، ستار ذات تیری
دن سے عیاں ہے جلوہ، پردہ ہے شام تیرا

میرا ایمان ہے بنیں گے یہ مغفرت کا سبب
کبھی تو اشک بہا کر علی کی بات کرو

کن گردشوں نے اس کو گھیرا ہوا ہے ہر سو
اپنا جو کل تک تھا انجان آج کل ہے

جیسا کہ میں نے ابتدائیہ میں عرض کیا کہ یہ ایک وسیع اور چندہ انتخاب ہے جس میں دو نکتے بہت اہم
ہیں ایک تو مضافاتی نوجوانوں کا ادب اور دوسرا اس انتخاب میں ملک کے بیشتر حصوں کی نمائندگی کی گئی
ہے۔ جیسا کہ صوبہ بلوچستان سے اعجاز بلوچی کا کلام بھی اس ”سخن آباد“ میں شامل کیا گیا ہے جو کئی
شہرہ آفاق اساتذہ اکرام سے مشتق ہے۔ اشعار دیکھیں۔

ہر شے کی ابتدا میں ہے حمد و ثنا کی بات
معبود کائنات کی، رب علی کی بات



ہوائے گلشن

خیالات و جذبات کا شعوری سطح پر منظم ہونا شاعری کہلاتا ہے۔ غزل شاعری کی پسندیدہ، قدیم اور مقبول ترین صنف ہے جس کا پہلا سانچہ امیر خسرو کے ہاں موسیقی کی بنیاد پر ریختہ کی صورت میں نظر آتا ہے جبکہ غزل کو بام عروج پر پہنچانے میں میر تقی میر سے بڑا نام تاریخ میں نہیں ملتا۔ زیر نظر کتاب ”سخن آباد“ انور زیب انور کے اٹھارہ ہم عصر شعراء و شاعرات (مع تصاویر و تعارف) کا مجموعہ غزلیات ہے جس کا انتساب خدائے سخن میر تقی میر کے نام کیا گیا ہے۔ اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں شامل زیادہ صاحبان کلام اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں اور باقاعدہ ادبی تنظیموں سے منسلک ہیں جن کی ذاتی کتب یا تو شائع ہو چکی ہیں یا زیر اشاعت ہیں۔ منفرد انداز و اسالیب میں کہی گئی یہ غزلیات محض تخیلات کی سیر گاہیں نہیں بلکہ فکر و فلسفہ کی وہ پھلوریاں ہیں جن سے پروان چڑھنے والے سخن کے پھولوں پر مثل ”چشم مارو شن، دل ماشاد“ ثابت ہوتی ہے۔

دعا گو

تنہا لائیکپوری

(شاعر و ادیب) شہر، لاہور

جیٹ من جملہ تمام شعراء کا کلام ”سخن آباد“ کی صورت چھپنے پر میں سب کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ خاص طور پر مدیر اعلیٰ انور زیب انور کی یہ کاوش لائق تحسین ہے وگرنہ انتخاب تو درکنار اس دور موصلات میں کتاب کا تصور ہی گم ہوتا جا رہا ہے۔

دعا گو خالد نقاش

چیئر مین بزمِ غالب انٹرنیشنل

ایڈیٹر وائس آف ٹائمز لاہور

نعت

کیسے ہو شروعات بجز نعتِ محمد ﷺ
میں کیسے کروں بات بجز نعتِ محمد ﷺ

کچھ مدح سرائی میں ستاروں سے ہیں آگے
کچھ صورتِ ذرات بجز نعتِ محمد ﷺ

کیا میری عبادات بجز خاکِ مدینہ
کیا میری مناجات بجز نعتِ محمد ﷺ

چپ عالمِ اسبابِ کرشماتِ نبی ﷺ سے
چپ عالمِ اصوات بجز نعتِ محمد ﷺ

کیا رنگِ سماوات مدینے کے مقابل
کیا اس کے مضافات بجز نعتِ محمد ﷺ



نوید اقبال

نوید اقبال یکم مارچ 1973ء کو دریاں، ہاکی اور خربوزوں کی بدولت وجہِ شہرت رکھنے والی سرزمین لگھڑ منڈی (گوجرانوالہ) میں پیدا ہوئے۔ آپ نے بنیادی تعلیم نارمل ہائی اسکول لگھڑ منڈی سے حاصل کی جبکہ کالج کا زمانہ گورنمنٹ سائنس کالج ملتان سے منسوب رہا۔ آپ لگھڑ کی ادبی تنظیم ”دستک“ کے بانی رکن ہیں جو علاقے بھر میں اپنی کامیاب ادبی سرگرمیوں کی بدولت جانی جاتی ہے جن میں معمول کی نشستوں کے ساتھ ساتھ اس تنظیم کے تحت سالانہ نعتیہ اور پنجابی یا اردو مشاعرے کا انعقاد بھی کیا جاتا ہے۔ نوید اقبال اردو اور پنجابی زبانوں میں شاعری کے ساتھ ساتھ اردو نثر میں بھی طبع آزمائی کرتے رہتے ہیں مگر پنجابی شاعری ہی ان کی پہچان ہے۔

تصانیف:-

2018 نعتیہ انتخاب ”کلامِ نور“، 2022 اردو نعتیہ مجموعہ ”عروجِ سخن“ اور 2023 پنجابی شعری مجموعہ ”ننگے پیریں“ ہیں۔ ان کے علاوہ پنجابی بولیاں، پنجابی نعتیہ مجموعہ اور لگھڑ منڈی کے لوگوں اور رہن سہن پر سو اردو نثر پاروں پر مشتمل ان کی تین کتابیں مستقبلِ قریب میں منظرِ عام پر آ رہی ہیں۔

جنت کے ہیں سردار، سر دار ہوئے جو
سبطینِ پیمبر ﷺ ہیں وہ پسرانِ علیؑ ہیں

سب غوث، ولی، قطب یہ ابدال و قلندر
پیرانِ زمن سارے مریدانِ علیؑ ہیں

اوقات سے نکلوں تو میں تفصیل میں جاؤں
الفاظ ہزاروں ہیں جو شایانِ علیؑ ہیں

☆☆☆

غزل

آستیں سے جدا نہیں کرتا
میں کسی کو خفا نہیں کرتا

میں سمجھتا ہوں سب کی مجبوری
دوستوں سے گلہ نہیں کرتا

وہ بھی جاتا نہیں مرے دل سے
میں بھی دل سے دعا نہیں کرتا

بخشش نہ شفاعت نہ وسیلہ نہ ودیعت
مت سوچ مراعات بجز نعتِ محمد ﷺ

کیا سمجھوں میں مدحت کو جدا کر کے خدا سے
کیا سمجھوں میں آیات، بجز نعتِ محمد ﷺ

☆☆☆

منقبت

نازاں ہیں غلامی پہ غلامانِ علیؑ ہیں
حسنین کے چاکر ہیں فدايانِ علیؑ ہیں

عرفان، وفاء، علم، ولا اور شجاعت
یہ پانچ عناصر ہی تو پہچانِ علیؑ ہیں

خندق ہو کہ خیبر ہو کہ ہو حُم کا حوالہ
در اصل یہ سارے ہی ثنا خوانِ علیؑ ہیں

فرمانِ محمد ﷺ ہے کہ مولا ہیں علیؑ بس
عشاقِ محمد ﷺ ہی محبانِ علیؑ ہیں

علم و ہنر ہو رزق ہو یا ہوں محبتیں
جو بانٹتا ہے ان کو، کبھی مانگتا نہیں

میں پیٹ کاٹتا ہوں کہ رشتے جڑے رہیں
میں نخلِ سایہ دار کبھی کاٹتا نہیں

شاید ہو اس کا ہاتھ ہی جگنو کے ہاتھ میں
بیکار عمر بھر تو کوئی جاگتا نہیں

پالی ہیں جیسے تُو نے کئی یاریاں نوید
اولاد بھی جہاں میں کوئی پالتا نہیں

☆☆☆

غزل

لفظ جذبات سے جنم لے کر
آئے خطرات سے جنم لے کر

علم و دانش کو بانجھ کرنے لگے
شعر حالات سے جنم لے کر

عین ممکن ہے زندگی کر لے
آدمی حوصلہ نہیں کرتا

وہ بھکاری نہیں تو کاسہ ہے
روشنی جو دیا نہیں کرتا

لوگ دعویٰ تو کر رہے ہیں مگر
میں ہی ان کو خدا نہیں کرتا

میں بھی زندہ تری جدائی میں
تو بھی وعدہ وفا نہیں کرتا

☆☆☆

غزل

آسمانیوں سے راستے آراستہ نہیں
میں کیسے جی رہا ہوں کوئی جانتا نہیں

بے ربط دھڑکنوں میں سلیقے سے ثبت ہے
کہنے کو جس خدا سے کوئی رابطہ نہیں

جسم میرا ہے جان و دل تیرے
تُو ہی قابض ہے دو تہائی پر

چابیاں کھو چکی ہیں رشتوں کی
بھائی کھلتا نہیں ہے بھائی پر

لا تعلق یہ لوگ دھڑکن سے
مطمئن ہیں سنی سنائی پر

کوئی شکوہ نہیں خدا سے مجھے
ساری تشکیک ہے خدائی پر

پھوڑ ڈالو نویدِ نم آنکھیں
پانی پھیریں بنی بنائی پر

☆☆☆

مار ڈالا ہمارے رشتوں کو
بات نے بات سے جنم لے کر

مرنے لگتی ہیں لب پہ آتے ہی
نیکیاں ہاتھ سے جنم لے کر

پل رہے ہیں ہماری پلکوں پر
اشک برسات سے جنم لے کر

کاش کوئی نویدِ روشن ہو
محرِ ظلمات سے جنم لے کر

☆☆☆

غزل

مجمد ہیں تری جدائی پر
دل میں دھڑکن، گھڑی کلائی پر

میری آنکھیں اسیر ہیں تیری
مجھ کو دیتا نہیں دکھائی پر

غزل

وہ روز و شب، محبت کرنے والے
کہاں ہیں اب؟ محبت کرنے والے

محبت کی طلب ہوتی نہیں تھی
ملے تھے جب، محبت کرنے والے

فسادی بھی کہیں سے سیکھ لیتے
نہ تھے مکتب، محبت کرنے والے

سبھی پھولوں کی خوشبو منفرد ہے
سبھی مذہب، محبت کرنے والے

جہاں بھی ہیں، رہیں ہر دم سلامت
مرے یارب! محبت کرنے والے

ترا محبوب بھی ہو گا وہیں پر
جدھر ہیں سب محبت کرنے والے



ڈاکٹر محبوب کاشمیری

آپ محکمہ صحت عامہ آزاد کشمیر میں ایڈمن کیڈر آفیسر ہیں۔ آپ یکم فروری 1973 کو پیدا ہوئے۔
بچپن سے ہی آپ کو علم و ادب کا شوق تھا۔ بچوں کے جرائد نونہال اور آنکھ چمولی میں بہت عرصے آپ
کی تحریریں شامل اشاعت رہیں۔
آپ نے پنجاب میڈیکل کالج فیصل آباد کے میگزین کے چیف ایڈیٹر کی ذمہ داری سال 1998ء
میں سرانجام دی۔ قبل ازیں 1995ء میں ایڈیٹر شعبہ پنجابی رہے۔
آپ کا پہلا مجموعہ کلام 1997ء میں ”اُسے میرا غم ستائے گا“ شائع ہوا۔
جبکہ آپ کا دوسرا شعری مجموعہ ”عکس آب“ ہے جس کو بک کارنر جہلم نے شائع کیا اور اس کی بھرپور
پذیرائی ہوئی۔ گذشتہ سال اسی کتاب کے تین ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔
آپ کو فارسی کی عظیم مثنوی ”منطق الطیر“ کے اردو ترجمہ و تسہیل کی سعادت حاصل ہوئی۔
اس کے علاوہ آپ انگریزی ناول کو اردو میں بھی ڈھال چکے ہیں۔

جانے کس نیند کو ہوا محبوب
جانے کس آنکھ کا وہ خواب ہوا

غزل

یوں میرا اشک بہانا بھی، اک بہانہ لگا
کہ میرا سچ تو اسے جھوٹ کا فسانہ لگا

وہ اک قدم پہ ہی آنکھوں سے ہو گیا اوجھل
میں جست بھر کے اڑا، اور مجھے زمانہ لگا

مجھے نہ رو، یہ خسارہ نہیں کچھ اور ہے دوست
سوادِ عشق میں، میں کیا، مرا گھرانہ لگا

وہ اب مزار پہ بیٹھا ہوا ہے میرے لیے
اسے کہو، مجھے جینے کی بددعا نہ لگا

وہ آئینہ تھا کہ اک زوردار تہقہہ تھا
مجھے تو پہلی نظر میں ہی، میں دوانہ لگا

غزل

آئینہ، رخ پہ بے نقاب ہوا
حسن، خود اپنا انتخاب ہوا

قیس ملتا تو پھر بتاتا اسے
میں ترے دشت میں خراب ہوا

اس کا چہرہ پڑھا اور اتنا پڑھا
ایسے میں صاحبِ کتاب ہوا

اس کی آنکھوں میں پیاس چمکی تھی
آبدیدہ ہوں، کیوں نہ آب ہوا

شاخ پر اس نے اپنا لمس رکھا
اور میں کھل اٹھا، گلاب ہوا

آبِ سادہ نے اس کے ہونٹ چکھے
گھونٹ بھرتے سمے، شراب ہوا

ہم بہت لمبی لمبی چھوڑتے تھے
جبھی اک دوسرے کو چھوڑ دیا

دشت کی پیاس کا یہی حل تھا
پاؤں کے آبلے کو پھوڑ دیا

عکس پھر ایک ہو نہیں پائے
ٹوٹے آئینے کو تو جوڑ دیا

☆☆☆

غزل

سبزباغوں پہ دوش دھرتے ہوئے
سہل تھا وعدوں سے، مکرے ہوئے

آئینے کو عقب سے دیکھنا تھا
سامنے سے اسے سنورتے ہوئے

وہ دوسروں کی نظر میں غلط سہی، محبوب
بری نظر سے بھی دیکھا ہے تو برا نہ لگا

☆☆☆

غزل

خود کہانی کو ایسا موڑ دیا
آخری اشک تک نچوڑ دیا

کیسی اچھی ہے اس کی تنہائی
آدمی کو خدا نے چھوڑ دیا

اس نے پانی پہ میرا نام لکھا
جیسے کوزہ بنا کے توڑ دیا

دل بنا کر مرا، ہتھیلی پر
اور پھر مٹھی کو مروڑ دیا

غزل

یہ سہولت تو ہے نچھڑنے میں
کوئی دقت نہ ہو مکر نے میں

اب ہوا کو بھی اعتراض نہیں
طاقے پر چراغ دھرنے میں

شام تو کب کی ہو چکی، ہونی تھی
لگ گئی دیر، دھوپ ڈھلنے میں

سب کا نقصان ایک جیسا ہے
فائدہ کچھ نہیں جھگڑنے میں

دائرے کا سفر ضروری ہے
آگے بڑھنے میں، پیچھے ہٹنے میں

اس نے خود پر نگاہ ڈالنی تھی
آئینے لگ گئے سنورنے میں

کیا بتاؤں جو دل پہ گزری ہے
آج منہ پھیر کر گزرتے ہوئے

سانس باہر ہی روک لی میں نے
خالی سینے میں، آہ بھرتے ہوئے

آنکھ پگھلی تو جم گیا آنسو
جانے کیا یاد آیا مرتے ہوئے

ہونٹ رکھے تھے پہلے ہاتھوں پر
آگ چومی تھی ڈرتے ڈرتے ہوئے

سر سے چھت ہی گنوا لی ہے محبوب
سیڑھیاں چڑھتے اور اترتے ہوئے

☆☆☆



شمرین خان

شمرین خان 9 نومبر شہر کراچی کے علاقے ناظم آباد میں ایک متوسط طبقے میں پیدا ہوئیں۔ آپ نے میٹرک اپنے قریبی اسکول "ملت کیئر پرائمری اینڈ سیکنڈری اسکول" سے کیا اور گریجویٹیشن کی ڈگری "عبداللہ گریڈ کالج" سے حاصل کی۔ ابتدا ہی سے آپ کو اردو پڑھنے لکھنے کا شوق تھا اور وقت کے ساتھ ساتھ اردو ادب سے یہ دلچسپی بڑھنے لگی۔ غالب، احمد فراز، فیض احمد فیض، مومن خان مومن اور محسن نقوی آپ کے پسندیدہ شاعر ہیں۔ آپ کے والد ایک سرکاری ملازم اور دادا ایک ریٹائرڈ فوجی تھے اور شوقیہ شاعری بھی کرتے تھے پر کبھی کوئی کلام پبلش نہیں ہوا۔ آپ نے شروع میں کئی چھوٹی چھوٹی کہانیاں بھی لکھیں اور اس کے بعد شعر کہنا شروع کیا۔ اپنے ذوق سخن کی آبیاری کے لیے آپ نے 2019 سے باقاعدہ شعر کہنا شروع کیا۔ قلمی نام بھی شمرین خان ہی رکھا۔ آپ نے جب باقاعدہ شعر کہنا شروع کیا تو آپ کی پہلی غزل ایک نیوز پیپر میں شائع ہوئی۔ اُس کے بعد چند میگزینوں میں اور کئی ایک رسالوں میں بھی چند غزلیں شائع ہوئیں۔ آپ جدید دور کی جدید شاعرہ اپنے ہم عصر شعراء میں اپنی مثال آپ ہیں۔

فیصلہ ایک پل کا تھا، محبوب
اک صدی لگ گئی گزرنے میں

خاک ہو جائے گا ہر ایک تعارف لیکن
میرے شعروں سے مجھے یاد کیا جائے گا

☆☆☆

غزل

کب مجھ کو نئے خواب دکھانے کے لیے ہے
یہ آنکھ فقط اشک بہانے کے لیے ہے

اک تیرے نچھڑنے پہ یہ احساس ہوا ہے
ہر شخص یہاں چھوڑ کے جانے کے لیے ہے

میں خواب ہتھیلی پہ لیے سوچ رہی ہوں
کچھ ہے جو مرے پاس گنوانے کے لیے ہے

تم غیر کے پہلو میں جو خوش باش کھڑے ہو
یہ صرف مرے دل کو جلانے کے لیے ہے

میں چیختے لوگوں میں کھڑی سوچ رہی ہوں
گویائی فقط شور مچانے کے لیے ہے؟

دولت ہے یا شہرت ہے یا اخلاق یا ہمت
جو کچھ ہے مرے پاس زمانے کے لیے ہے

غزل

آسماں کو زمیں پہ بھول گئی
اک گماں کو یقین پہ بھول گئی

بھول آئی سماعتیں کہیں پر
اور زباں کو کہیں پہ بھول گئی

ہو گئی گل سے تو جدا تنہی
رنگ اپنے وہیں پہ بھول گئی

میں اُسے بھولنے کے چکر میں
خود کو رکھ کر کہیں پہ بھول گئی

اُس نے ہنستے ہوئے کہا خوش رہ
اور میں غم وہیں پہ بھول گئی

میں ستاروں سے دوستی کر کے
پاؤں رکھنا زمیں پہ بھول گئی

غزل

جسم کو جسم کی حدت کی ضرورت کیا ہے
روح تک چین نہ پہنچے تو محبت کیا ہے

اس کے جانے پہ یہ احساس ہوا ہے مجھ کو
جسم سے روح نکلنے کی اذیت کیا ہے

سب کو یہ چھوڑ کے اک تیری طرف آتا ہے
آخر اس دل کو ترے نام سے رغبت کیا ہے

ہم بھی تاریخ کے اوراق میں زندہ رہیں گے
جینا آتا ہو تو مرنے کی ضرورت کیا ہے

جس نے جھیلا ہی نہ ہو ہجر کے لمحوں کو اسے
یار معلوم ہی کیا ہو کہ اذیت کیا ہے

غزل

خواب کو اس لیے تعبیر نہیں کر سکتی
اک اداسی ہے جو تفسیر نہیں کر سکتی

شعر کہتی ہوں زمانے پہ سہولت سے مگر
ایک خواہش ہے جو تحریر نہیں کر سکتی

میری جاگیر ہے آنکھوں میں خساروں کی زمیں
تجھ پہ قربان یہ جاگیر نہیں کر سکتی

میں سماعت کے تلاطم میں بہوں گی لیکن
اپنی آواز کو زنجیر نہیں کر سکتی

اس زمانے سے تجھے تھوڑا پرے رکھنا ہے
سو ترے خواب کی تشبیہ نہیں کر سکتی

☆☆☆

اُنا کے ہاتھ سے تھا جن کو میں نے قتل کیا
سنائی دیتی ہے ان خوابوں کی دہائی مجھے

وہ میرے نام کو گلیوں میں گاتا پھرتا ہے
ستم تو یہ ہے کہ دیتا نہیں سنائی مجھے

☆☆☆

غزل

چشم حیرت میں اجالوں کو سجا رکھا ہے
نام آنکھوں کا تبھی ہم نے دیا رکھا ہے

جو ترے آنے کے احساس پہ کھلتا ہے فقط
ہم نے اس دل کو وہ دروازہ بنا رکھا ہے

ہم سے دیکھی نہیں جاتیں یہ اندھیری راتیں
آنکھ میں خواب نہیں ہم نے دیا رکھا ہے

مجھ کو دیتا ہے خدا شعر کی دولت شمرین
میری نظروں میں زمانے کی یہ دولت کیا ہے

☆☆☆

غزل

یوں تنہا بیٹھے ہوئے تیری یاد آئی مجھے
نہ دکھ رہا ہے نہ دیتا ہے اب سنائی مجھے

تمہارے وصل میں اکثر یہ سوچتی ہوں میں
ملے گی کیسے ترے ہجر سے رہائی مجھے

چھپا ہوا ہے شرابہ سکوت جاں میں کہیں
پکارا خود کو مگر کچھ نہ دے سنائی مجھے

اسی لیے مری آنکھوں میں رات ہو رہی ہے
کہ اس کا چہرہ نہیں دے رہا دکھائی مجھے

نہ ہو طیب تو بنتا ہے دردِ راحتِ جاں
تمہارے ہجر نے یہ بات ہے سکھائی مجھے

انورزیب انور

اصل نام: انورزیب خان خٹک، والد کا نام: جہانزیب خان خٹک
 قلمی نام: انورزیب انور، تخلص: زیب

عرف: زیب جی، تاریخ پیدائش: 10 اپریل 1998 بروز جمعہ

تعلق: صوبہ خیبر پختونخواہ، نوشہرہ، نظام پور، آسونیل

تعلیم: ایم اے اُردو (عبدل ولی خان یونیورسٹی مردان)

میٹرک تک گورنمنٹ ہائی اسکول کا ہی میں جانے مانے مشہور اپنے قابل قدر اساتذہ (الطاف حسین،

جان محمد، حسین گل، سیف الرحمن، امیر نواب اور مرحوم شیردوس خان) کے زیر سایہ تعلیم حاصل

کی۔ ایف ایس سی کا امتحان گورنمنٹ ڈگری کالج خان کوہی سے دیا جہاں پروفیسر شاہ زیب سر سے

بہت کچھ سیکھنے کو ملا۔ جبکہ ایم اے اُردو کی ڈگری عبدل ولی خان یونیورسٹی مردان سے حاصل

کی۔ شاعری کا آغاز میٹرک سے کیا۔ صنف: شاعری، افسانے، کالم، کہانیاں، ناول

کئی اخباروں رسالوں اور میگزینوں میں کلام شامل اشاعت رہا۔ کئی ادبی تنظیموں میں مقابلہ شعر

و شاعری و افسانہ نگاری میں بطور جج خدمات سرانجام دیئے اس کے علاوہ کئی اعزازیں اسناد حاصل کئے

جبکہ زمرہ سلطانہ فاؤنڈیشن نے ادبی خدمات پر سال 2022 کے ایوارڈ سے بھی نوازا۔ دس (10)

انتخابی کتابوں میں شمولیت حاصل کی جن میں (07) سات شعری مجموعے (01) ایک نعتوں پر مشتمل

مجموعہ جبکہ (02) دو افسانوں پر مشتمل مجموعے شامل ہیں۔

اس کی خواہش ہے ترے نام میں ڈھل جانے کی
 ہم نے آواز کو دانتوں میں دبا رکھا ہے

جب سے سوچا ہے فقط تم سے بچھڑ جانے کا
 تب سے اس دل نے بڑا حشر اٹھا رکھا ہے

ہم اجالوں کے طرفدار ہیں ہم نے اب بھی
 اک دیا بامِ محبت پہ جلا رکھا ہے

☆☆☆

عشق میں پڑ گیا ہوں میں جب سے
گویا کہ اب بگڑ رہا ہوں میں

دل بھی سرقہ ہوا ہے میرا ہی
اُلٹا پاؤں بھی پڑ رہا ہوں میں

زیب آنسو نہیں ہیں یہ میرے
گال پر موتی جڑ رہا ہوں میں

☆☆☆

غزل

دیوار بھی ہے راہ میں کانٹے بھی ہیں درپیش
منزل ہمیں مل جائے، دعا کیجئے درویش

آئے جو کبھی آج مری ارضِ وطن پر
نذرانہ دل و جان کا کر دیں گے اسے پیش

کیوں اٹھتے نہیں تیرے قدم میری گلی تک
ہم پھر بھی چلے آئے ہیں اس سمت کم و بیش

مصانیف:-

(01) دلِ برباد (شاعری مجموعہ)،

(02) ادھورے خواب (افسانے، کالم، کہانیاں)

(03) تم کیوں چلے گئے (ناول) زیرِ طبع،

(04) کاش (شاعری مجموعہ) زیرِ طبع

☆☆☆

غزل

اُن کی نظروں میں اڑ رہا ہوں میں
اک بڑی جنگ لڑ رہا ہوں میں

دھوپ ہے ہجر کی کھڑی سر پر
اور اسی میں ہی سڑ رہا ہوں میں

حسرتوں کے گڑھے کھدے ہوئے ہیں
اور ان میں ہی گڑ رہا ہوں میں

ایک تجھ سے نباہ کی خاطر
ہر کسی سے جھگڑ رہا ہوں میں

تجھ کو کرتے ہیں اور کرنے دو
تم کسی کو نہ مسترد کرنا

مجھ سے خوشیاں کشید کرتا جا
لوگ جانے ہیں بس حسد کرنا

اور کچھ بھی انہیں نہیں آتا
جن کو آتا ہے شعر رد کرنا

☆☆☆

غزل

اب نہ دل اور نہ وہ جوش رہا
غم میں ڈوبے ہیں یوں نہ ہوش رہا

حُسن کے جال میں پھنسا ہوں میں
کیسے کہہ دوں تمہارا دوش رہا

بولتا میں تو آگ لگ جاتی
بس میں سُننا رہا خموش رہا

خالی نہ پلٹ جائے ترے در سے سوا
حق دار ترے مال کے پہلے ہیں ترے خویش

اک دن انہیں دینا ہے جواب اپنی جفا کا
حالات سے ڈرتے نہیں جو زیب جفا کیش

غزل

جو کہا ہے اُسے سند کرنا
اپنی باتوں کو مستند کرنا

میری مانو سکون چاہو تو
یار مفلس کی تم مدد کرنا

جی حضوری میں یار لوگوں کو
نیک کہنا نہ یار بد کرنا

یہ محبت بڑی ہی مشکل ہے
صبر کرنا تو یار حد کرنا

ہوئے ہیں زیبؔ جب سے وہ پرائے
اب آکے ہم بھی سنجیدہ ہوئے ہیں

☆☆☆

غزل

پہلے اٹھائے پھرتے تھے فانوس لوگ بھی
اب دیکھتے ہیں ہر جگہ ناموس لوگ بھی

ورنہ کوئی نہ جانتا دکھ میرے گھر کے پر
پھرتے ہیں چار سو مرے جاسوس لوگ بھی

اس گھر سے کوئی بھی کبھی خالی نہیں گیا
پاتے مرادیں ہیں یہاں مایوس لوگ بھی

اک ٹو نہیں ہے آشنا حالات سے مرے
کرتے ہیں درد کو مرے محسوس لوگ بھی

فاقوں سے زیبؔ ورنہ کوئی مرتا نا یہاں
کچھ تھے تمہارے عہد کے کنجوس لوگ بھی

دیکھنے چھت پہ میں گیا، نہ ملا
چاند پہلی کا ہی رُپوش رہا

زیبؔ اوروں کی بات کیا کرنی
سایا اپنا ہی فراموش رہا

☆☆☆

غزل

تمہارے غم میں رنجیدہ ہوئے ہیں
در و دیوار بوسیدہ ہوئے ہیں

تواتر سے مصائب مل رہے ہیں
لگے ہے اپنے گرویدہ ہوئے ہیں

ہوئی ہے اُن سے جب ہم کو محبت
تو منظر سے وہ پوشیدہ ہوئے ہیں

سمجھ میں ہی نہیں آتے کسی کے
ہم اس طرح سے پیچیدہ ہوئے ہیں

غزل

یہ میرا پیار ہی ہے، ورنہ کتنا سخت ہوں میں
تری زبان درازی سے لخت لخت ہوں میں

مری کم بختی نے مجھ کو نہیں چھوڑا کہیں کا
وگرنہ ماں کی نظر میں بڑا ہی بخت ہوں میں

شمر بھی ہے مرا، چھاؤں بھی ہے، کاٹو نہ مجھے
تمہارے کام آؤں گا کہ اک درخت ہوں میں

مجھے حقیر نہ جانوں زمانے کے لوگو
میں آدمی ہوں میاں شان تاج و تخت ہوں میں

میں زیب دل کا بُرا تو نہیں تمہارے لیے
اگرچہ لہجے کا مانا، ذرا کرخت ہوں میں

☆☆☆

غزل

میں نے دیکھا ہے گھر اُجڑتے ہوئے
رو رہا تھا کوئی پھرتے ہوئے

عاجزی بہترین ہے یارو
مت چلے کوئی بھی اکڑتے ہوئے

ایک تذلیل یہ بھی ہے ان کی
لوگ دیکھے ہیں پاؤں پڑتے ہوئے

چھوڑ جاتے ہیں ایک دن اپنے
دیکھیے تو شجر کو جھرتے ہوئے

ہم نے سیکھا ہے زندگی جینا
انگلیاں باپ کی پکڑتے ہوئے

☆☆☆

غزل

نہ کر اس طرح تُو، سُن اے زیبّ جی
بڑے خواب تُو نہ بُن اے زیبّ جی

سمجھ بات کو پہلے کچھ غور کر
کچھ ایسے نہ سر کو دُھن اے زیبّ جی

اگر چاہتا ہے تُو امن و سکوں
تو خاروں کو رہ سے چُن اے زیبّ جی

لٹا دے غریبوں پہ مال اور زر
کہیں لگ نہ جائے گھن اے زیبّ جی

یہ دنیا، زمیں، کہکشائیں بنیں
خدا نے کہا جب "گن" اے زیبّ جی



غزل

یوں لگتا ہے یار تمہاری نیت سے
ہونے کو ہوں میں دوچار اذیت سے

دل کو توڑ کے رکھ دینا ہے کھیل ترا
واقف کب ہے تُو دل کی اہمیت سے

اپنا کیا ہے جیسے تیسے جی لیں گے
تجھ کو رکھے یار خدا خیریت سے

کیوں بلواتے ہو جب غیر سمجھتے ہو؟
پاس آؤں میں تیرے کس حیثیت سے؟

آدم زاد ہے تو اس کو تعلیم دلا
انساں بن سکتا ہے وہ تربیت سے



غزل

یار کے کوچے کا جو بھی فرد ہے
اک سے بڑھ کر ایک ہی بے درد ہے

ایک وہ ظالم ہے دشمن جان کا
ورنہ تو جو بھی ملا ہمدرد ہے

ناز تھا جس شخص پر نالاں ہے وہ
آج اُس کا لہجہ کافی سرد ہے

صاف رہنا اب تو ہے اتنا محال
چار سو اڑتی ہوئی وہ گرد ہے

زیب عورت پر اٹھائے ہاتھ جو
حیف ہے اس پر، وہ کوئی مرد ہے؟



غزل

دل سے تیری یادوں کو، میں کھرچ نہیں پایا
اس لیے سکوں میرے، دل میں رچ نہیں پایا

عاشقی نے آخر کو، گھر بنا لیا دل میں
بچتا رہ گیا جتنا، پھر بھی بچ نہیں پایا

جھوٹ کب تک آخر کام آئے گا اپنے
وہ بھٹک گیا آخر، جس نے سچ نہیں پایا

وہ تو پھول ہے ایسا بچ گیا مرے دل میں
میں ابھی تک دل میں اُس کے بچ نہیں پایا

مسئلہ ہے جوں کا توں زیب اس لیے شاید
چاہتا تھا جتنا میں شور مچ نہیں پایا



2021 تنظیم کارخیر گوجرانوالہ گولڈ میڈل تعریفی سند اور انعامات اور کیش پرائز (کتاب صدائے جاں)
الوکیل ایوارڈ 72023 عدد (7 عدد کتب کو) حاصل پور
تنظیم کارخیر گوجرانوالہ گولڈ میڈل اور تعریفی سند اور انعامات (کتاب دیوار شام 2023)
مولانا عبدالستار عالمی ایوارڈ 2022 وٹواں شیخوپورہ (کتاب the island of
(memorirs)

☆☆☆

غزل

رنگ ہر ایک ہے جدا دل میں
خاموشی ہے کبھی صدا دل میں

خون اشکوں میں ڈھل گیا ہے سبھی
زخم کیسا نیا کھلا دل میں

آگ بھڑکی خیال یار کی یوں
اک دھواں سا کہیں اٹھا دل میں

جب سے تنہائی اُتری آنگن میں
یاد کا اک دیا جلا دل میں



تنویر اقبال تنویر

اصل نام: تنویر اقبال
شہر اور جائے پیدائش: گجرات
قلمی نام: تنویر اقبال تنویر
تاحال مقیم سائیرس
تصانیف:-

- (1) کاغذی پھول (شعری مجموعہ) 2002 (2) چادر شب (شعری مجموعہ) 2020
(3) صدائے جاں (شعری مجموعہ) 2021 (4) SPEECHLESSTHE
(5) دیوار شام (شعری مجموعہ) 2021 (6) FEELINGS (poetry) 2021
(7) The island of memories (poetry) 2022
(8) خواب آہٹوں کے بستر پر (ذاتی اقوال - تصورات 'خیالات') 2022
(9) دیے جو تیرے ہجر میں جلے (شعری مجموعہ) 2023
(9) The pearl of deep thoughts (thoghat's 'saying, conceptions)

ایوارڈ اور شیلڈز

- 2019 شریف کنجاہی ایوارڈ کنجاہ گجرات (ادبی خدمات کے صلے)
2021 ادب ادیب اور قلم انٹرنیشنل رائیٹرز فورم راولپنڈی پاکستان (کتاب صدائے جاں)
ایف جے رائیٹرز ایوارڈ لاہور 2022 (صدائے جاں)
2021 بھیل ایوارڈ نکانہ صاحب (کتاب صدائے جاں)

میرے سب سوالوں کا بر ملا جواب ملا
زخم سی رہا ہوں خود، اب یہی دوا بھی ہے

زرد رت کے آنگن میں، ہے عجب سی تنہائی
عشق میں جو ملتی ہے، ایک یہ سزا بھی ہے

آئینے کی طرح جو سامنے ہے اک چہرہ
سامنے کھڑا بھی ہے اور کچھ چھپا بھی ہے

رتجگول کی بارش ہے اور سنہری ہیں یادیں
دیکھ تنویر زرا، پیار کی عطا بھی ہے

☆☆☆

غزل

صدائے غم میں ہی درد سارے چھپا کے رکھنا کمال ہے یہ
خزاں میں باد صبا سے رشتہ نبھا کے رکھنا کمال ہے یہ

غم زماں کی ان آندھیوں سے بچا بچا کے دلِ ویراں میں
یہ ٹٹماتا وفا کا دیکھ جلا کے رکھنا کمال ہے یہ

ہائے وہ شخص جب سے پھڑا ہے
زرد موسم کی ہے فضا دل میں

برکھا رت میں بھی پھر سے تنہائی
اک عجب سی ہے سزا دل میں

مجھ کو تنویر ڈوبنا ہے یہیں
ایک طوفان سا ہے پاپا دل میں

☆☆☆

غزل

درد نے صدا کی ہے، کچھ نہ کچھ ہوا بھی ہے
دل جو رو رہا ہے یوں، رنگ کچھ جدا بھی ہے

چشمِ نم لیے ہم بھی شامِ غم سجا بیٹھے
غمکدے میں رونق، غمزدہ فضا بھی ہے

معجزہ ہے یہ کوئی یا ہے آنکھ کا دھوکا
دیپ جل رہا ہے یہ، ساتھ کچھ ہوا بھی ہے

غزل

جب حال دل نصاب سے باہر نکل گیا
میں درد کی کتاب سے باہر نکل گیا

شب کی پریشاں حال ہیں خالی ہتھیلیاں
یہ کون مہتاب سے باہر نکل گیا

شاموں کو روتا دیکھ کر تنہائیوں میں یوں
پھر چہرہ بھی شباب سے باہر نکل گیا

صدیوں سے میری نیند پہ قابض رہا ہے جو
کیوں میرے خواب سے باہر نکل گیا

جو دل کی ڈائری میں تھا لفظوں کی طرح نقش
وہ پیار ہی کے باب سے باہر نکل گیا

کشکول درد ہاتھ میں لے کر جو نکلا میں

اُداس شاموں کے رنگ لے کر وفا کے کینوس پہ روز لوگو!
حسین یادوں کا نقش کوئی بنا کے رکھنا کمال ہے یہ

طوفانِ حُسن و فریب دل کو دکھائے چاہے ہزار چہرے
مگر تصور میں ایک پیکرِ بیٹا کے رکھنا کمال ہے یہ

نہ پوچھو دیوانگی کا عالم، جنوں کا اور ہے خودی کا عالم
وفا کی خاطر یوں خود کو ہر پل لٹا کے رکھنا کمال ہے یہ

یہ تلخ باتیں، یہ سرد لہجے اُداس ہو کر بتا رہے ہیں
بہار کی خاطر اپنی ہستی مٹا کے رکھنا کمال ہے یہ

لہو لہو ہو دریدہ دامن مگر اے تنویر پھر لبوں پر
زہر رتوں میں مٹھاس لہجہ سجا کے رکھنا کمال ہے یہ

☆☆☆

خوشیوں کی زد میں ہے پھر سے مرا جہان دل
ماحول بس یہ راس ہے، رات بھی اداس ہے

اُتری ہے چشم تر لئے آنگن میں ہر طرف مرے
کتنی یہ غم شناس ہے، رات بھی اداس ہے

کچھ پل تو ٹھہرو جان جاں، ہے وقت آخراں یہاں
بس اک یہ التماس ہے، رات بھی اداس ہے

☆☆☆

غزل

نیند آنکھوں میں در بدر ہے اب چلے آؤ
ساتھ ستارے ہیں اور قمر ہے اب چلے آؤ

ڈھونڈنے نکلی ہے باد نسیم راہوں میں
اجنبی رستہ، نگر ہے اب چلے آؤ

پھر جلا رکھے ہیں ہم نے چراغ مہر و وفا
اور ہواؤں کا بھی کچھ ڈر ہے اب چلے آؤ

ہر شخص پھر سراب سے باہر نکل گیا

تویرِ پیاسی دیکھ کر دل کی یہ وادیاں
پھر آبِ وفا بھی چناب سے باہر نکل گیا

☆☆☆

غزل

نہ کوئی آس پاس ہے، رات بھی اداس ہے
یہ غم کا اقتباس ہے، رات بھی اداس ہے

جب چادرِ شب پہ کہیں چمکے جو تارے جاگ اٹھا
ملنے کی پھر سے آس ہے، رات بھی اداس ہے

تہایوں کو اُڑھ کر بیٹھا ہے دل یہ روٹھ کر
آو کہ من اداس ہے، رات بھی اداس ہے

سورج کو ہاتھ میں لئے اُترا ہوں بحرِ غم پھر
اتنی لبوں پہ پیاس ہے، رات بھی اداس ہے



لبنی غزل

کراچی کے مضافات میں پیدا ہونے والی لڑکی جسے والدین نے لبنی غزل کا نام دیا۔ نام کے اثرات نے بچپن ہی سے مضمون نگاری، شاعری، نعت خوانی، میزبانی، اداکاری اور گائیکی جیسے فنون کو ذات کا حصہ بنا دیا۔

آپ نے شاعری کی باقاعدہ ابتدا اسکول کے زمانے سے کی۔ آغاز ہی سے سنجیدہ معاشرتی مسائل کو موضوعِ سخن بنایا۔ شاعری کی چند ویب سائٹس اور گروپس میں طرحی غزلوں کے تین مقابلوں میں حصہ لیا اور تینوں میں اول انعام حاصل کیا۔ آپ نے زمانہ طالب علمی میں دو بار اسکالرشپ کا امتحان پاس کیا۔ آپ نے اپنی تعلیم کے ساتھ ساتھ تدریسی عمل کا آغاز بھی آٹھویں جماعت سے کیا۔ بقول آپ کے جوں جوں زندگی آگے بڑھتی گئی حالات و واقعات نے قلبی رجحان کا رخ روحانیت کی جانب پھیر دیا۔ کم عمری اور سوچ کی ناپختگی کے باعث شاعری روحانیت کے حصول کی راہ میں رکاوٹ محسوس ہوئی سو ایک طویل عرصہ شاعری سے کنارہ کیے رکھا جس کے سبب تمام پرانا کلام ردی کی ٹوکری کی نذر ہو گیا البتہ نعت خوانی اور مختلف معاشرتی موضوعات پر مضامین لکھنے اور پڑھنے کا سلسلہ

داستاں غم کی سنانے نکل پڑے آنسو
چشم حیران بھی پھر تر ہے اب چلے آؤ

فصل گل پھر سے گزر نہ جائے اداسی میں
پھر سے جو بن پہ ہر شجر ہے اب چلے آؤ

زندگی چینی ہے اور پکارتی ہے تمہیں
آخری سانس اور سحر ہے اب چلے آؤ

کیسے تنویر بتائیں بھلا کناروں کو
جان لیوا سا بھنور ہے اب چلے آؤ

☆☆☆

نعتِ رسولِ مقبول

لطفِ سرکار جو مائل بہ کرم ہوتا ہے
حسرتِ دید کو دیدارِ حرم ہوتا ہے

خواب میں بھی نہ ملا انکی زیارت کا شرف
ہم سے عشاق کو تا عمر یہ غم ہوتا ہے

سیرتِ پاک سے پائی ہے ہدایت جس نے
اسکے قدموں کے تلے باغِ ارم ہوتا ہے

خواہشِ دیدِ محمدؐ ہو اگر زادِ راہ
کتنا پُر کیف سفر سوئے عدم ہوتا ہے

ہر خطا وار سیہ کار کو محشر میں فقط
آپکے دستِ شفاعت کا بھرم ہوتا ہے

مثل یارانِ محمدؐ کوئی لے آئے غزل
ایک محکوم جہاں فخرِ امم ہوتا ہے

جاری رہا۔

اسکے علاوہ آپ نے جناب خلیل وارثی صاحب کے اسلامی چینل پر بطور میزبان چند پروگرامز بھی کیے۔

آپ نے بزنس ایڈمنسٹریشن میں ڈگری لی جبکہ Oracle Database Administrator کا سٹڈنٹ امتیازی پوزیشن سے حاصل کیا۔ آپ نے کئی پرائیویٹ کمپنیز میں اعلیٰ عہدوں پر پروفیشنل فرائض سرانجام دیئے۔

آپ کے تجسس اور مشاہداتی مزاج کے سبب آپ کو بیرون ملک سفر کا شوق پیدا ہوا اور کئی یورپی ممالک (سوئیڈن، ہالینڈ، جرمنی، بیلجیئم) سے ہوتے ہوئے بالآخر امریکہ میں مستقل سکونت اختیار کی اور تاحال آپ امریکہ کی ریاست جارجیا میں قیام پذیر ہے۔

سن دو ہزار بیس میں جب کوڈ 19 کی وبا نے دنیا کو آلیا اور سماجی میل جول میں واضح کمی واقع ہوئی تو آپ کا فیس بک کی دنیا سے تعلق مزید استوار ہوا اور مذہبی و سیاسی موضوعات پر مضامین لکھتے لکھتے حادثاتی طور پر آپ کا ایک بار پھر شاعری سے رشتہ جڑ گیا۔ آپ نے بامقصد شاعری کے ایک نئے دور کا آغاز کیا۔ آپ کے پسندیدہ شعراء میں علامہ اقبال اور مرزا اسد اللہ خان غالب سرفہرست ہیں۔

شاعری کی اصناف میں آپ کو غزل پر خاصی مہارت حاصل ہے جبکہ آپ نے نظم، نعتِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، مرثیہ اور مناجات پر حسب استطاعت طبع آزمائی کی۔

☆☆☆

غزل

یہ جو دلکشی ہے بہار کی سنو لوٹ کر نہیں آئے گی
گھڑی فصلِ گل پہ نکھار کی سنو لوٹ کر نہیں آئے گی

جسے سُن کے بچتے ہیں سازِ دل رگ و پے میں ہوتی ہے جلت رنگ
ہاں یہ بازگشتِ پکار کی سنو لوٹ کر نہیں آئے گی

لگیں جسکی اوٹ میں آندھیاں بھی مثالِ بادِ صبا تمہیں
وہ پناہ نرمِ حصار کی سنو لوٹ کر نہیں آئے گی

جو گھٹا کے بن ہی برس پڑے نہ مطیعِ موسمِ ابر ہو
جھڑی ایسی بلی پھوار کی سنو لوٹ کر نہیں آئے گی

ابھی دسترس میں ہیں ساعتیں کیوں نہ گن لیں لطف و کرم کہ پھر
لگی چاہتوں کے شمار کی سنو لوٹ کر نہیں آئے گی

چلو رنجشوں کو بھلا کے ہم کریں پھر سے عہدِ وفا غزل
گئی رت جو اپنے قرار کی سنو لوٹ کر نہیں آئے گی



غزل

سُروِ عظمت کے بت کدے میں قیام کب تک رہے گا آخر؟
کہ دردمندوں پہ لطفِ دنیا حرام کب تک رہے گا آخر؟

فنا پذیری نے بس کیا ہے محبتوں پہ ہی مرگ طاری
خدایا سرکشِ عداوتوں کو دوام کب تک رہے گا آخر؟

فروعِ باطل، زباںِ درازی کے ہاتھوں ہم سے سُخنِ دروں کا
یوں زخم کھاتا، ستم اٹھاتا، کلام کب تک رہے گا آخر؟

خوشی کے لمحات مختصر ہیں پلک جھپکتے ہی بیت جائیں
نجانے افسردگی کا اک پلِ مدام کب تک رہے گا آخر؟

خدا نے عقل و خرد سے یکساں نواز رکھا ہے گر بشر کو
مرا تخیل تری رضا کا غلام کب تک رہے گا آخر؟

دلیلِ ایقان پیش کرتا غزل جو ہوتا یقینِ راسخ
گماں کی پرسش سے منہ چھپاتا امام کب تک رہے گا آخر؟

غزل ملا نہ اگر سایہ شجر تو کیا
 زہے نصیب مقدر میں باغبانی ہے
 ☆☆☆

غزل

کیا پوچھتے ہو اس دلِ غمگین کا مزاج
 اک عہد بے ثبات میں مسکین کا مزاج

اسکے ہنر کی داد ہے یا دادِ حُسن ہے
 مطلق سمجھ نہ آئے ہے تحسین کا مزاج

گو بال و پر ہیں ظاہراً اک قدر مشترک
 زاغ و زغن سے ہے جدا شاہین کا مزاج

سینچا جگر کے خون سے جس نے بھی گلستاں
 ٹھہرا ہے ناروا اُسی شوقین کا مزاج

غزل

بقائے نفس ہی محصولِ زندگانی ہے
 بجز زیاں ہے تمناؤں کی گرانی ہے

بتا حادثہ ایام اب سُنیں کس کی
 نظر نظر سے بیاں اک نئی کہانی ہے

ہے مولِ اشک کا مشروط جذبہ دل سے
 وگرنہ آنکھ سے ٹپکے جو صرف پانی ہے

بجھا ہے اپنا دیا تب خبر ہوئی تم کو
 روشِ ہواؤں کی ہرچند یہ پرانی ہے

دکھا گئے ہیں زمانے کو تین سو تیرہ
 کہ حق نے کب بھلا باطل سے ہار مانی ہے

کتابِ زیست پہ روشن حروفِ لافانی
 ہے عجزِ دائمیِ فرعونیتِ زمانی ہے

تعوید بے رخی کا ہوا ایسا کچھ اثر
ہم پر نگاہ یار نہ بارِ دگر ہوئی

کیونکر عیاں ہوں قلب پہ اسرارِ زندگی
اب تک تو آشکار نہ رمزِ بشر ہوئی

مانگی نہ پھر رقیب نے اخلاص کی دلیل
ضامن وفا کی جب سے مری چشم تر ہوئی

دل عشق کے فریب میں بے آبرو ہوا
راہ جنوں میں آرزو شوریدہ سر ہوئی

ماخذ اندھیری رات کا سمجھو اسے غزل
کچھ اور بھی قرین طلوعِ سحر ہوئی

☆☆☆

چرخِ گہن سے رابطے سب منقطع ہوئے
جب سے بگڑ گیا تری آمین کا مزاج

اقبال اور غالبِ حاذق سے نابلد
دیمک زدہ ہے ذوق کی تسکین کا مزاج

اک حد اعتدال سے آگے دکھے غزل
تعظیم کا مزاج بھی توہین کا مزاج

☆☆☆

غزل

شونی مرے مزاج کی سوزِ جگر ہوئی
جس لحظہ آشنائے حقیقت نظر ہوئی

دے کر بزد خیال کو، اندیشہ اجل
پھر آپ ہی حیات سے شیر و شکر ہوئی

والد مرحوم حکیم نذیر انیکوٹی کی طرح شعر و ادب میں تادیر زندہ اور سلامت رہے گا۔
عابد کمالوی (سابق ڈائریکٹر اطلاعات)
لاہور پریس کلب ہاسٹنگ سکیم ہرنس پورہ لاہور

☆☆☆

غزل

خیال و خواب سے مجھ کو جگا گیا اک شخص
سراب آنکھ سے میری ہٹا گیا اک شخص

میں دیکھتا رہ گیا ہاتھ پر نصیبوں کی
پلک جھپکتے لکیریں مٹا گیا اک شخص

زرِ مبادلہ کی دیکھی ہے زبوں حالی
خبر ہے موت کی وادی چلا گیا اک شخص

سنور گئے بنے رستے گلاب محنت سے
پلک پلک چُنے کانٹے بچھا گیا اک شخص



ظفر کمالوی

رنگوں، تیلیوں اور بھیگے موسموں کا شاعر از عابد کمالوی، ظفر کمالوی کا تعلق بھی اس خطہ باکمال سے ہے جو میری
جنم بھومی ہے۔ ہم دونوں صوفیوں اور صاحبانِ حکمت کی اولاد ہیں ظفر اور میرا بچپن اپنے شہر کی آڑی ترچھی
گلیوں میں شباب تک پہنچا تو مجھے داتا کی نگری لاہور اور اسے شہرِ اقتدار نے اپنے پاس بلا لیا جامعہ پنجاب
میری مادرِ علمی ٹھہری جس نے مجھے صحافت اور قانون کی ڈگریاں تھما کر کہا کہ جاؤ حوادثِ زمانہ کے تھپیڑوں
سے نبرد آزما ہو جاؤ واقعی اس دور کے دوزخ نے ہمیں بہت چلایا لیکن پیچھے اولیاء اور صوفیوں کی دعاؤں نے
لڑکھڑانے نہیں دیا۔ میں نے شاعری کا آغاز چھٹی جماعت سے کر دیا تھا ظفر کمالوی کے والد گرامی حکیم محمد نذیر
رانیکوٹی رحمۃ اللہ اور راول حبیب اللہ خاں سعدی رحمۃ اللہ اور لکھنؤ موجود میں میرے بڑے بھائیوں جیسے مہرباں
رہنما راؤ امتیاز احمد قاروق اور والدین کے فیضانِ نظر اور مکتب کی کرامات جیسے معاملات مجھے نکھارتے
رہے۔ ظفر کمالوی نے اپنی عملی زندگی کا آغاز کینوس اور کمرشل آرٹ سے کیا لفظوں کو رنگوں سے ہم آہنگ کیا
ظفر رنگوں سے کھیلنے کے فن کا ماہر تو تھا ہی لیکن اب وہ رنگوں کو شاعر کی صورت دے کر اپنے چاہنے والوں سے
خوب داد سمیٹ رہا ہے اپنی شاعری کے ذریعے ابلاغ کے عمل کو سوشل میڈیا سے شروع کیا اور بہت کم عرصے
میں اچھے شاعروں کی فہرست میں شامل ہو چکا ہے مختلف موضوعات کو شعر کے قالب میں ڈھال کر شاعروں
کی صف میں نمایاں نظر آتا ہے۔ ظفر کمالوی کا ادبی سفر جاری اور شعری مستقبل بہت روشن نظر آ رہا ہے وہ اپنے

کچھ پیش چلی نہ عشق میں ملتے رہے
نازک تھے ظفر خیال احکام جنوں

☆☆☆

غزل

روشنی اک خیالی سراہوں میں ہے
جھوٹ کے درمیاں سچ عذابوں میں ہے

حسن والے نہ جانے کہاں کھو گئے
عشق و مستی کا قصہ کتابوں میں ہے

جس کے سائے تلے جام چلتے رہے
مے کدہ آج ان کا خرابوں میں ہے

دے گیا وہ پچھڑ کے عجب بے کلی
چین ہے رتجوں میں نہ خوابوں میں ہے

ہجراں میں جاناں کی راہ تکتے ہوئے
سوچ بے داد اپنی عذابوں میں ہے

چٹان بن کے جفا سامنے کھڑے رہنا
طریق وقت کڑے کا بتا گیا اک شخص

یہ راز راز نہیں اب رہا ظفر کوئی
ہوا چراغ تو گھر ہی جلا گیا اک شخص

☆☆☆

غزل

یہ کرب، مہر بہ لب، یہ ہنگام جنوں
ہو ختم یہ شامِ غم، پی لوں جامِ جنوں

مفلس رہے مفلسی کا شکوہ نہیں کیا
تقدیر سے ہم نے پا؟ آلامِ جنوں

خود میرے خیال مجھ سے الجھے ہیں نئے
کیوں کس لئے میں تراشوں اصنامِ جنوں

مصلحتیں بھی کامِ عشق میں آتی نہیں
پیدا ہو سکے نہ ان سے کہرامِ جنوں

اپنا ہے ندیم عشق اب جو بن پر
اس عشق سے کیوں نہ استفادہ کر لوں

پھر اوج پہ دل کو عشق لے کر جائے
پھر قیس طرح میں دل دوانہ کر لوں

بے لوث کہیں ظفر طے کوئی دوست
میں وار دوں جان و دل یہ وعدہ کر لوں

☆☆☆

غزل

رک گئے منزلوں کی کھوج لگانے والے
سوچتے کیا ہیں قدم آگے بڑھانے والے

ضبط کے ساحلوں پر قافلہ ہے آہوں کا
مل گئے لوگ ہمیں دل کو دکھانے والے

ہوں سزا وارِ الفت کروں میں کیا
حوصلہ پست دیکھا عتابوں میں ہے

بے سبب راہ چلتے ملو ہم سے ظفر
تیرا غیروں سے ملنا حسابوں میں ہے

☆☆☆

غزل

بے فیض حیات کا تماشا کر لوں
میں وہم و گمان سے کنارہ کر لوں

جب ہاتھ کو ہاتھ پر رکھے بیٹھا ہوں
میں ظلمتِ شب کو پھر گوارا کر لوں

اس دورِ خراب زیست نا ممکن ہے
تعمیرِ نو ذات کا اعادہ کر لوں

کیوں تنگ کریں خیال تیرے مجھ کو
میں بھولنے کا جنہیں ارادہ کر لوں

ایک اک لمحہ کون رکھتا حساب
وقفِ لیل و نہار یار نہ پوچھ

نفرتیں نقد ہیں محبتوں میں
لوگ کرنے لگے ادھار نہ پوچھ

رت بدلنے لگی نسیم صبا
لائی غنچوں پہ وہ بہار نہ پوچھ

آہیں بھر کے جینا فرقتوں میں
عشق والوں کا حالِ زار نہ پوچھ

عشق کی اوٹ جینے کا مزا آئے
تابِ دل کو ملے قرار نہ پوچھ

دونوں میں ہے بڑا تضادِ ظفر
فطرتِ عشقِ حسنِ یار نہ پوچھ

☆☆☆

دل یہ بیتاب ہوا زلف تری چھونے سے
آخرش پھنس گئے ہم ہاتھ لگانے والے

رازِ خوشبو کے عیاں کر اے چمن کے مالی
لمس گل کا مرے ہاتھوں میں رچانے والے

غم کی تصویر بنے بیٹھے ہو دلداری میں
غم عیاں چہرے سے ہیں سینے لگانے والے

یاد آتے ہیں ترے سنگ گزارے لمحے
وقت بے وقت مرا دل وہ لبھانے والے

غم گساری کو ظفر آئے نہ میرے اپنے
دردِ دل کاش سمجھ جاتے رلانے والے

☆☆☆

غزل

دوستی ہے فریبِ پیار نہ پوچھ
کیا حریفوں پہ اعتبار نہ پوچھ

غزل

کوئی بھی کم ہی ساتھ رہتا ہے
مستقل غم ہی ساتھ رہتا ہے

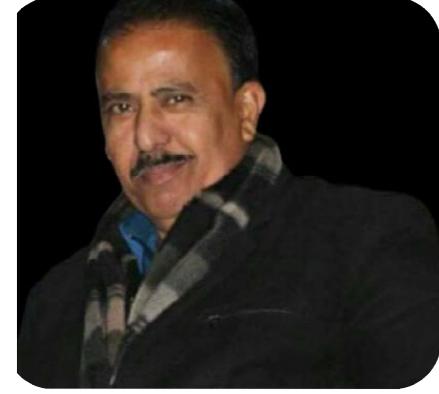
جب بھی مشکل کوئی پڑے سر پر
آنکھ میں نم ہی ساتھ رہتا ہے

زندگی میں عجب معاملہ ہے
صرف محرم ہی ساتھ رہتا ہے

جس پہ دل کو یقین ہوتا ہے
وہ بہت کم ہی ساتھ رہتا ہے

اُس کی موجودگی تو ہے خالد
چاہے برہم ہی ساتھ رہتا ہے

☆☆☆



پروفیسر محمد خالد کھوکھر

آپ 12 فروری 1963 کو پیدا ہوئے۔ آپ احمد پورلمہ تحصیل صادق آباد ضلع رحیم یار خان میں مقیم ہیں۔

تعلیم ایم اے اردو قبا لیا ت اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور سے حاصل کی اور آج کل بطور وائس پرنسپل اقراء پوسٹ گریجویٹ کالج ٹلور وڈ صادق آباد میں اپنی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔

آپ نے اپنی شاعری کا آغاز 1998 کو والد محترم کی ناگہانی موت کے بموجب شروع کیا، آپ حمد نعت غزلیات لکھتے ہیں،

آپ مشہور شعرا کرام باقی احمد پوری اور ظہور چوہان سے اصلاح لیتے ہیں۔

آپ کا پہلا پہلا شعری مجموعہ ”بلا جواز“ ہے

دوسرا مجموعہ ”موجودگی“ کے نام سے اشاعت کے مراحل میں ہے

سنڈے ایکسپریس اور مندی کئی دیگر اخبارات میں آپ کا کلام شامل اشاعت رہا ہے۔

آواز جب اٹھاؤں گا تیرے لیے تو لوگ
خالد مجھے یہ اپنا نشانہ بنائیں گے

☆☆☆

غزل

ضرورت سے زیادہ سوچنا اچھا نہیں ہوتا
نظر بھر کر کسی کو دیکھنا اچھا نہیں ہوتا

کوئی تصویر آنکھوں سے ہتھیلی پر اتر آئے
تو اُس کو پیتکلف چومنا اچھا نہیں ہوتا

کسی حد تک اگرچہ ضبط لازم ہے محبت میں
مگر سیل رواں کو روکنا اچھا نہیں ہوتا

مجھے اپنا سمجھتے ہو تو میری جاں بھی حاضر ہے
یوں غیروں کی طرح کچھ پوچھنا اچھا نہیں ہوتا

اُسے سمجھاؤ خالد دل میں گنجائش کرے پیدا
کہ ہر اک بات پر تو روٹھنا اچھا نہیں ہوتا

غزل

پہلے تو گھر سے گھر کو گھرانہ بنائیں گے
پھر اس کے بعد اپنا زمانہ بنائیں گے

ویسے بھی اپنا تو کوئی ٹھکانہ ہے نہیں
تیری ہی شاخِ دل پہ ٹھکانہ بنائیں گے

مغرور ہو نہ جائے کوئی اپنی ذات میں
غالب کے ساتھ ایک یگانہ بنائیں گے

اک مملکت بنائیں گے ہم صرف پیار کی
اور اس کا ایک اپنا ترانہ بنائیں گے

اک روز بن ہی جائے گی تصویر بے مثال
تیرا ہی کوئی عکس روزانہ بنائیں گے

جنگل کے سب شکاری یہی سوچتے رہے
پہلے بنائیں دام کہ دانہ بنائیں گے

غزل

نہ وہ ہمارے ہوئے تھے نہ ہم کسی کے تھے
مگر یہ طے ہے کہ سارے ہی غم کسی کے تھے

مٹا سکا نہ میں کوشش کے باوجود ان کو
جو نقش تھے مرے دل پر رقم کسی کے تھے

ہم ان پہ اپنی کہانی بیان کرتے رہے
ہمارے ہاتھ میں لوح و قلم کسی کے تھے

خود اپنے دل پہ ستم آپ ہی کیے ہم نے
ہمارے حال پہ سارے کرم کسی کے تھے

ہمیں تو ایسا کوئی دکھ نہیں تھا دنیا میں
کیا جو غور تو سارے الم کسی کے تھے

طرح طرح سے ہمیں لوگ آزما تے رہے
کرم کسی کے تھے دل پر ستم کسی کے تھے

غزل

تری جدائی میں جس وقت ڈمگاتا ہوں
غمِ حسین تصور میں لے کے آتا ہوں

اُسے میں سوچوں مسلسل تو دل ہی پھٹ جائے
سو، یاد کرتا ہوں اور اُس کو بھول جاتا ہوں

وہی تو ہے جو مری شاعری کا حاصل ہے
اُسی کو ذہن میں لا کر غزل سُناتا ہوں

کبھی جو خواب تھے اب زخم بن گئے ہیں مرے
گریں زمیں پہ تو پلکوں سے میں اُٹھاتا ہوں

میں پہلے چاک پہ رکھتا ہوں خاک کو خالد
پھر اپنے ہاتھوں سے میں اپنی خاک اُڑاتا ہوں

☆☆☆

محبت سے چاہو تو اپنا بنا لو
میں آں کا نہیں ہوں میں ایں کا نہیں ہوں

یہی ایک دکھ کھائے جاتا ہے مجھ کو
میں ایک داغ ہوں اور جبیں کا نہیں ہوں

حسین تو بہت ہیں زمانے میں خالد
مگر تیرے جیسے حسین کا نہیں ہوں

☆☆☆

ہمارا حال تو سب پہ عیاں رہا خالد
رکھے ہوئے تھے جو ہم نے بھرم کسی کے تھے

☆☆☆

غزل

فلک کا نہیں ہوں زمیں کا نہیں ہوں
جو تیرا نہیں ہوں کہیں کا نہیں ہوں

میرا نور میری زمیں کے لیے ہے
ستارہ میں عرش بریں کا نہیں ہوں

میری لامکانی ہے معراج میری
مکان کا نہیں ہوں کلیں کا نہیں ہوں

میں کچھ دور ہی سے تجھے دیکھتا ہوں
سمجھتا ہوں تیرے قرین کا نہیں ہوں

غزل

حادثہ یہ عجیب ہوتا گیا
دوست، میرا رقیب ہوتا گیا

کی دوا تو مرض بگڑتا گیا
اور بے بس طبیب ہوتا گیا

سپنے سب چور چور جب ہو چکے
خواب ہر اک مہیب ہوتا گیا

خوشی اُس کی طرف ہی بڑھتی گئی
درد، مجھ کو نصیب ہوتا گیا

وقت کا تھا، پہیہ چلتا رہا
حُسن، آخر غریب ہوتا گیا

تنگ اتنی، حیات ہوتی گئی
جتنا اُس کے قریب ہوتا گیا



فقیر عباس تاجر

اصل نام فضل داد جبکہ قلمی نام فقیر عباس تاجر ہے آپ 5 دسمبر 1967 کو شہر چکوال میں پیدا ہوئے اور ابھی تک وہیں پر مقیم ہیں آپ نے بی اے تک تعلیم حاصل کی، آپ کا کل اثنا دو بیٹے گوہر نعیم عباس اور گوہر کلیم عباس ہیں جبکہ آپ نے اپنی شاعری کا آغاز جماعت نہم سے کیا آپ نے اپنے مرحوم پیرو مرشد تاجان قبلہ عابد جعفری صاحب کے کہنے پر پنجابی میں شعر لکھنے کا آغاز کیا پہلے کچھ عرصہ تک پنجابی میں لکھتے رہے جبکہ کچھ عرصے بعد آپ کے کہنے کے مطابق آپ کو اپنے ایک عزیز دوست نے اُردو غزل کی طرف مائل کیا جس کے بعد اُردو میں شعر لکھنا شروع کیا۔ آپ نے غزل کے علاوہ کئی گیت بھی لکھے جسے لائیوٹی وی پیہ بھی کچھ گلوکاروں نے گایا۔ آپ کئی عرصے سے ایوان ادب کے ایڈیشنل جنرل سیکٹری کے خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ آپ کے دو مجموعے کلام

(01) بند کتاب

(02) میری کل کائنات

بہت جلد شائع ہو جائیں گی

باغِ ارم سے بھی میں ڈھونڈ کے لے آتا
ہاں، امن کی شہزادی، پرستان اگر ہوتی

بدلے میں یہ آنکھیں ہی تحفے میں تجھے دیتا
مجھ پر یہ محبت، تری، تادان اگر ہوتی

کیا حشر ترا ہوتا، تُو سوچ ذرا تاجر
یہ زندگی، ناں موت پہ، قربان اگر ہوتی

☆☆☆

غزل

نشہ، تیری محبت کا جگر پر وار کرتا ہے
ترا ہر وار ہی سینے سے، نیزہ پار کرتا ہے

قسم کھا کر بتا کیا یہ، غلط ہے، میرا اندازہ؟
چھٹی جس میری کہتی ہے، تُو مجھ سے پیار کرتا ہے

وہ زباں میری کاٹ کے تاجرو
خود، غضب کا خطیب ہوتا گیا

☆☆☆

غزل

ہاں پیار گھڑی میری، مہمان اگر ہوتی
قربان میں کر دیتا، سو جان اگر ہوتی

پھٹتا نہ کلیجہ مرا چنچیں بھی نہ یوں اٹھتیں
تھوڑی سی تیرے چہرے پہ مسکان اگر ہوتی

مرتے نہ آنا پر، نہ رویوں پہ کبھی لڑتے
انسان کو انسان کی پہچان اگر ہوتی

جنت میں کہے دیتا اس فرضی ٹھکانے کو
یہ دنیا، وفادار، مری جان اگر ہوتی

غزل

تری معراج کرتے ہیں
یہ دل پگھراج کرتے ہیں

ترے دیدار کے سنے
مجھے محتاج کرتے ہیں

تخیل کے گلے پر پھر
یہ ہنچو کاج کرتے ہیں

مرے گھر کی گلی میں اب
اندھیرے راج کرتے ہیں

پرانے کھاتوں کا دونوں
چلو، اخراج کرتے ہیں

محبت، بانٹ لیتے ہیں
دو حصے، آج کرتے ہیں

زباں میٹھی ہو یا کڑوی، پتہ نُو کا نہیں دیتی
نُو، واضح، ہر بشر کی جس طرح کردار کرتا ہے

محبت کے اشارے پر، کلیجہ چیر دیں گے ہم
دکھاوے کی یہ رسمیں تو، یہ دنیا دار کرتا ہے

وفا کے پھول اس کے حصے میں، قطعاً نہیں آتے
سُو جو لوگوں کے رستے کو سدا پُر خار کرتا ہے

کبھی مانگے اگر مجھ سے یہ سانسیں اس کو دے دوں گا
جو چُھپ چُھپ کے جو ہنس ہنس کے مرا دیدار کرتا ہے

بٹھا کر اس کو پلکوں پر، میں دنیا کو دکھا دوں گا
یہاں آرام تاجر کا، ہمیشہ یار کرتا ہے

☆☆☆

اُف یہ زمانہ کیسے، پہچان میری کرتا
جب چھین کر مری وہ، پہچان لے گیا تھا

لگتا ہے روح بھی میری، وہ یوں کھینچ لے گا
جیسے مرے وہ دل کے، ارمان لے گیا تھا

تاجر یہ زندگانی، تب رُک گئی ہے میری
جاتے ہوئے وہ سارے، فرمان لے گیا تھا

☆☆☆

غزل

تجھ پر بہت ہی مان ہے، ہاں جان ہے
پر، پیار بھی زندان ہے، ہاں جان ہے

کچھ دھیان بھی، لٹکا ہے، کاتھوں پر مرا
کچھ سوچ بھی ویران ہے، ہاں جان ہے

فقیری، میں لے لیتا ہوں
ترے سر، تاج کرتے ہیں

☆☆☆

غزل

میری خوشی کے سارے، امکان لے گیا تھا
وہ سب، محبتوں کا طوفان لے گیا تھا

وہ چاند میرا، تھا تو، اک رات کا مسافر
اُس رات ہی مری وہ، یہ جان لے گیا تھا

اک دل تھا، چند لمحے، جن میں سکون سا تھا
سب ہی اثاثہ یہ، وہ مہمان لے گیا تھا

چولہے میں ڈال دے گا، کم ظرف یہ پتہ تھا
تب ہی سمیٹ کے وہ، دیوان لے گیا تھا



شہزین و فافراز

نام شہزین و فافراز، آپ کا تعلق شہر کراچی سے ہے۔ آپ کی ایک عرصے تک درس و تدریس کے شعبے سے وابستگی رہی۔ شاعری سے آپ کو بچپن سے بے انتہا شغف رہا اور یوں آپ کے لکھنے کا جذبہ پروان چڑھا۔ آپ نے اس زندگی کے نشیب و فراز میں یہ سلسلہ کئی بار روک دیا۔ لیکن اب آپ نے دوبارہ اس سلسلے کو اپنی زندگی کا حصہ بنا کر اپنے اظہار خیال کا مقصد بنایا۔ بقول آپ کے استاد محترم گو کہ دیر سے ملے لیکن انہوں نے کم وقت میں جس طرح سے وضاحت کے ساتھ آپ کی رہنمائی کی وہ شاید اور کوئی نہ کر پاتا۔ ان کی سرپرستی میں آپ نے اپنی شاعرانہ صلاحیتوں میں مزید نکھار لانے کی کوشش کا سلسلہ جاری رکھا ہوا ہے۔ بقول آپ کے استاد محترم و کرم جناب عبداللہ خالد صاحب کی رہبری و حوصلہ افزائی ہمیشہ آپ کے بہت کام آئی ہے جس کے لیے آپ ان کی بے حد ممنون ہیں۔

تجھ پر بھی لکھ دوں گا غزل لیکن ابھی
اک آگ ہے طوفان ہے، ہاں جان ہے

گو آنکھ بھی دریا ہے، خونی ہے، مگر
یہ دل بھی آتش دان ہے، ہاں جان ہے

دکھ بول اپنے، کچھ بتا؟ گونگا ہے؟ اُف
کیا ایسا بھی انسان ہے؟ ہاں جان ہے

جو قرض مجھ پر ہے، ادا وہ کیسے ہو
تیرا وہ، اک احسان ہے، ہاں جان ہے

تاجر وہ مجھ سے پوچھے، حسرت کوئی تو
فوراً میں کہہ دوں جان ہے، ہاں جان ہے

☆☆☆

نکل کے محفل سے جاہلوں کی، قسم خدا کی، سکون آیا
یہ کہہ رہے تھے نعوذ باللہ کہ آپ میرے خدا رہے ہو

تمام تخت اور تاج والے ہوئے ہیں پیوند جس زمیں کا
وہ دو ہی گز تھی، تو کس غرور و انا پہ آنکھیں جما رہے ہو

☆☆☆

غزل

کئی طوفان ہیں جو آنکھ میچے بند رہتے ہیں
کئی آنسو گھنی پلکوں کے نیچے بند رہتے ہیں

عجب ہے یہ جہاں محبوب باراں ہیں مکینوں کو
وہیں بارش کے موسم میں درتچے بند رہتے ہیں

وہ جو پتھر نما ہو دل سو ایسے دل کے دروازے
کوئی احساسِ الفت سے بھی کھینچے، بند رہتے ہیں

غزل

جو خواب دیکھا تھا اس سے ہٹ کے یہ کیسی دنیا بسا رہے ہو؟
یہ رائگانی کا دکھ اٹھا کے، سنو تو، کس سمت جا رہے ہو؟

سوال آنکھوں سے بہ رہے ہیں، بدن میں طاقت نہیں ہے کچھ بھی
اجاڑ رستوں پہ کس نفاست سے مشعلیں یوں جلا رہے ہو

یہ دکھ کی چادر ہے پیارے ایسے شگاف اس میں نہیں پڑے گا
کیوں آخرش ہاتھ کی لکیروں سے یوں اُلجھ کر دکھا رہے ہو

ادا میں شوخی نہیں ہے کوئی، کہ دل فرودہ، دماغ بوجھل
بڑی اذیت میں تم ہو، کیسے نگار خانہ سجا رہے ہو؟

ابھی تو محشر پڑے ہے جاناں خراب حالی درست کر لو
گناہ سارے ثواب کر کے کما لیے یا کما رہے ہو؟

یہ ظالمو کس عمل پہ ہم کو لگا رہے ہو، حیا کرو کچھ،
یہ دنیا کیا کچھ کہے گی ہر پل یہ سوچ دل میں بٹھا رہے ہو

مجھے سوچ میں اُتارو، مری سوچ کو سنوارو
مرے راز جان جاؤ، مجھے رازداں بناؤ

کسے کیا پڑی ہے جانناں! مری ظلمتیں مٹائے
تہی جگنوؤں سا چمکو، تہی کہکشاں بناؤ

جنہیں یاد رکھ سکوں میں، جو ہوں زندگی کا حاصل
مرے سب حسین لمحے یونہی جاوداں بناؤ

☆☆☆

غزل

جو منتظر ہیں ہمیں بے مکان دیکھیں گے
نظر سے اپنی ہمیں کامران دیکھیں گے

زمیں ہماری جنہیں کھینچنے کی جلدی ہے
نظر اٹھائیں تو اپنی اڑان دیکھیں گے

نجانے کتنے ہی صدموں میں ڈوبا ہوگا ایسا گھر
جہاں اطفال ہوں لیکن درپے بند رہتے ہیں

وفا اس شہر کی گلیوں سے اب وحشت جھلکتی ہے
یہاں ویران رستے ہیں، باغیچے بند رہتے ہیں

☆☆☆

غزل

جسے میں نہ بھول پاؤں، وہی داستاں بناؤ
مرے رتجگوں کے ساتھی! مجھے حرزِ جاں بناؤ

بھلا کون چاہتا ہے مجھے آپ چھوڑ جاؤ
مرے دن حسین بناؤ، مری شب جواں بناؤ

جو ہر ایک سے نہاں ہو، جو ہو سر بسر ہمارا
پرے اس جہاں سے ایسا کوئی اک جہاں بناؤ

غزل

نالائ تھا باغبان، اڑا لے گئی ہوا
پھولوں کی داستان اڑا لے گئی ہوا

اشکوں سے، سسکیوں سے نہ کچھ بات بن سکی
ہم بے کسوں کا مان اڑا لے گئی ہوا

کتنی ریاضتوں سے ملایا تھا دل سے دل
پھر میرا کل جہان اڑا لے گئی ہوا

کتنے وفاشناس ابھی تھے یہیں کہی
ان کو بھی میری جان! اڑا لے گئی ہوا

لہجے میں عاجزی تھی، حلاوت کا باب تھا
میرا وہی بیان اڑا کے لے گئی ہوا

ہماری راہ میں کانٹے بچھانے والوں کو
خود اپنے آپ سے ہی بدگمان دیکھیں گے

تجھے سمیٹ کے بانہوں میں موت آئے اگر
اندھیری قبر کو بھی گل ستان دیکھیں گے

قبیلے والو! تمہیں دوغلے مبارک ہوں!!
ہم اپنے جیسوں کا کوئی جہان دیکھیں گے

سکونِ قلب کی خاطر نہیں کلام ان سے
سو میرے شعروں کو وہ دے کے دھیان دیکھیں گے

عدو بھی بولیں گے حیرت سے ”آفرین! وفا“
جدا جو سب سے مرا سائبان دیکھیں گے

☆☆☆

یہ عجب صبر کی تعریف سنی ہے تجھ سے
آ تیری سوچ کو کم عقل!!! سدھارا جائے

میں جو اس بار گئی ہوں تو ملو ہاتھ اپنے
اب میری راہ کو ہر آن نہارا جائے

غم نہیں کوئی جو دنیا کا سہارا ٹوٹے
اب نہیں ہاتھ سے بس رب کا سہارا جائے

☆☆☆

یہ میں جو ہوں، نہیں ہوں، فقط نام برقرار
میرا ہر اک نشان اڑا لے گئی ہوا

☆☆☆

غزل

ایک آزاد جہاں خود میں اُتارا جائے
بند آنکھوں میں کوئی خواب سنوارا جائے

لوگ کیا کہتے ہیں اسکی کوئی پروا نہ کرو
اور یہ ہار ہے تو جان کے ہارا جائے

جن کو اپنی ہی پڑی ہو وہ کہاں سوچیں گے
جان سے جائے کسی کا جو دلارا جائے

آپ پرکھوں کی روایت کا بھرم رکھا کریں
ہم نہیں وقت کہ جیسے بھی گزارا جائے

غزل

جہالت کی دکانوں پر تو نفرت ہی میسر ہے
محبت کا نگر آباد ہے اس بازار سے آگے

دکھا کر دل کسی کا کیوں خوشی محسوس کرتے ہو
چلو آگے بڑھو خوشیاں ہیں اس آزار سے آگے

زمانے بھر کی چھانی خاک تو عقدہ کھلا ہم پر
نہیں ہے کچھ بھی تو انسانیت کے پیار سے آگے

مجھے اک دائرے میں کیوں گھماتا جا رہا ہے تُو
جہاں کچھ اور بھی تو ہیں تیری سرکار سے آگے

غمِ محبوب ہی تو زیست کا حاصل نہیں پیارے
الم کچھ اور بھی تو ہیں غمِ دلدار سے آگے

تمھاری ”میں“ پرستی نے تراشی ہے تیری جٹ
میری منزل ہے تیری سوچ کی رفتار سے آگے



سجاد اختر خان

آپ کا تعلق گاؤں منڈوہ گچھ ضلع مانسہرہ صوبہ خیبر پختون خواہ سے ہے۔

آپ نے اپنی پہلی نظم نوویں جماعت میں لکھی وہ آپ کی زندگی کی پہلی اور طویل نظم تھی جس میں کفار سے مکمل نفرت کا اظہار تھا اور ان سے جہاد کی ترغیب تھی۔ جس کا پہلا مصرعہ کچھ یوں

ہے۔۔۔۔۔ ”مسلمانوں کو جملہ تباہ کر دو کفاروں کو“

لیکن جوں جوں سوچ بچتے ہوتی گئی غور و فکر کے نئے دریچے کھلتے گئے تو اس نفرت کا رنگ پھیکا پڑنے لگا اور انسان دوستی کا رنگ نمایاں ہونے لگا۔۔۔ پھر اُس کے بعد آپ نے 2005 کے زلزلہ کے بعد باقاعدہ لکھنا شروع کیا۔ زلزلہ کے بعد متاثرین زلزلہ کی ریلیف کے حصول کی خاطر انتہائی لالچ، بے

حسی، خود غرضی، جھوٹ، دھوکہ اور فراڈ نے آپ کیا حساس پر ایسی ضرب لگائی جس سے آپ ایک باقاعدہ شاعر بنے۔ شعر میں آپ فیض احمد فیض سے زیادہ متاثر ہیں۔ شاعری کے ساتھ ساتھ آپ نے کالم نگاری بھی کی۔

آجکل آپ کی نظموں اور غزلوں پر مشتمل ایک کتاب تکمیل کے آخری مراحل میں ہے جو امید ہے کہ جلد شائع ہو کر ہم سامعین تک پہنچ جائے گی۔

اپنے لیے غریب کا چولہا بجھا دیا
کچھ بھی نہیں ہوا ہے نہ شرمائے حضور

پی کر ہمارا خونِ جگر مست ہوئے آپ
خوشیوں کے گیت گائیے نہ شرمائے حضور

انسانیت کے واسطے جو خود کو مٹا دیں
الزام دے کے ان کو نہ شرمائے حضور

سارے اثاثے لوٹ چکے ہیں ہمارے آپ
کچھ اور بھی خدمت ہو تو شرمائے حضور

یہ قوم کسی کام کی باقی نہیں رہی
اب اپنے حق میں نعرے ہی شرمائے حضور

اس جہل کی پروردہ غلامانہ سوچ سے
خطرہ نہیں ہے کوئی نہ شرمائے حضور

تُو اپنی جاہ و حشمت پر گھمنڈ اتا نہ کر پیارے
جہانِ عجز کی حد ہے تیری دستار سے آگے

☆☆☆

غزل

وعدے کیے تھے پہلے جو سادہ عوام سے
اب ان سے مگر جائیے نہ شرمائے حضور

خون پی چکے ہیں گوشتِ غریبوں کا کھا چکے
ہڈیاں بھی چبا لیجیے نہ شرمائے حضور

کاسہ ہمارے نام کا ہاتھوں میں تھام کے
دنیا سے مانگیے گا نہ شرمائے حضور

سب جھونپڑے غریبوں کے پانی میں بہہ گئے
محل اک نیا بنائیے نہ شرمائے حضور

لکھا ہے جو نصیب میں ملنا ضرور ہے
یہ سوچ کے سب کھائیے نہ شرمائے حضور

طاقت سے ہمیشہ ہی ڈرے رہتے ہیں ہم تو
کمزور مقابل ہو تو جبار ہیں ہم لوگ

کرتے ہیں چند سِکوں میں سودا ضمیر کا
کتنے وفا فروش ہیں غدار ہیں ہم لوگ

راہِ وفا میں چار قدم بھی نہ چل سکے
کہتے ہیں سر اٹھا کے وفادار ہیں ہم لوگ

بچے ہمارے پلتے ہیں غیروں کی بھیک پہ
پھر بھی یہ کہہ رہے ہیں کہ خوددار ہیں ہم لوگ

سر اپنا جھکا دیتے ہیں ہر جبر کے آگے
دستار نہیں سر پہ وہ سردار ہیں ہم لوگ

☆☆☆

بیدار ہو گئے تو خیر آپ کی نہیں
سوچوں پہ ان کی پہرے ہی شرمائے حضور

آپ اپنا کام کر چکے اب التماس ہے
رنگینی محل میں لوٹ جائیے، شرمائے حضور

ہم کو تو جاگنا ہے، جلانے ہیں کچھ دیے
نیند آ رہی ہے آپ کو سو شرمائے حضور

☆☆☆

غزل

ہر وقت ہی رحمت کے طلبگار ہیں ہم لوگ
ثابت ہوا یہ اس سے کہ بے کار ہیں ہم لوگ

ہاتھوں میں سکت ہے نہ ہی احساس ہے زندہ
کردار کی دولت نہیں نادار ہیں ہم لوگ

ناگ نفرت کے محبت کو نگل جائیں گے
 دودھ ان کو نہ پلا ان سے کبھی پیار نہ کر
 ☆☆☆

غزل

دل کی بات زباں پر لانا سہل نہیں
 سچائی کا علم اٹھانا سہل نہیں
 ہر جابر کو جابر کہنا پڑتا ہے
 جان لٹانا سر کو کٹانا سہل نہیں
 پھندا چوم کے گلے لگانا پڑتا ہے
 رسم منصوری کو نبھانا سہل نہیں
 اپنی جان پیاری ہوتی ہے سب کو
 اوروں کی خاطر مٹ جانا سہل نہیں

غزل

بھائی بھائی کی بہن بہن کی تکرار نہ کر
 دل کو شبنم کی طرح پاک رکھ اظہار نہ کر

تم کو بننا ہے جو انسان تو پھر بن کے دکھا
 ورنہ بے کار اداکاری بار بار نہ کر

جس کو مسحور تیرے پیار کی خوشبو نہ کرے
 ایسے بے درد سے کم ظرف سے تو پیار نہ کر

عشق دستور میں خاموش جلا کرتے ہیں
 تذکرہ اپنی وفا کا سر بازار نہ کر

تیری وحشت کی نظر ہوگی انسانیت آج
 باز آ خون بہانے سے اب اصرار نہ کر

پیار کی شمع جلا دل کے نہاں خانوں میں
 دیکھ انسان کو انسان سے بیزار نہ کر



عمران حسین پاشا

آپ کا اصل نام عمران حسین جبکہ قلمی نام عمران حسین پاشا ہے آپ کا تعلق فیصل آباد سے ہے آپ کو اوائل عمری سے ہی شعر و شاعری سے لگاؤ تھا آپ نے اپنا پہلا شعر 1994 میں لکھا جب آپ کی عمر سترہ سال تھی اور آپ فرسٹ ایئر کے سٹوڈنٹ تھے آپ نے اپنی شاعری کے ذوق کو تدریسی کتب کی شاعری اور مختلف اخبارات و رسائل میں چھپنے والی شاعری کو پڑھ کر قائم رکھا، بقول آپ کے آپ کو پروین شاکر کی کتاب "خوشبو" ملی جس سے آپ نے خود کو معطر کیا اور اُس کے علاوہ معروف زمانہ شاعر اعتبار ساجد صاحب کی کتاب "مجھے ایک شام ادھار دو" نے آپ کے شاعرانہ ذوق کو کم نہیں ہونے دیا۔ اسی طرح کسی نہ کسی صورت شاعر اور شعر سے آپ کی دلچسپی قائم رہی۔

آپ نے گزشتہ تین سال سے باقاعدہ شعر کہنے کا سلسلہ شروع کیا، اُس وقت آپ نے اپنے پہلے اساتذہ سید مقبول زیدی صاحب، پروفیسر خیب زاهد صاحب اور عزیز عادل صاحب سے اکتساب فیض حاصل کیا مگر مختلف وجوہات کے سبب یہ سلسلہ زیادہ دیر تک نہ چل سکا۔ پھر اُسکے بعد آپ کا اکرام رشید قریشی صاحب سے رابطہ استوار ہوا اور ان ہی سے باقاعدہ اکتساب فیض حاصل کیا جو آج تک جاری ہے۔ آپ کی دو کتب کا مواد تیار ہے جو امید ہے کہ جلد ہی منظر عام پر آجائیں گی۔

زندانون کی دیواروں کے سائے میں
آزادی کے نغمے گانا سہل نہیں

آگ، الاؤ رستے کی دیواریں ہیں
گود کے جانا جل بھن جانا سہل نہیں

سارا کچھ داؤ پہ لگانا پڑتا ہے
عظمت کی معراج پہ جانا سہل نہیں

☆☆☆

جب سے عیاں ہوئی ہے دل و جاں پہ کربلا
دل کہہ رہا ہے ارض کو فرسِ عزا کہوں

پوچھیں فرشتے آخری خواہش مری اگر
دیدارِ حسنِ یار ہو، وقتِ قضا کہوں

پاشا نظیر جب نہیں کونین میں کوئی
میں حسنِ کائنات کو ان کی ادا کہوں

☆☆☆

غزل

اب آرزوئے شوقِ تماشا نہیں رہی
شاید خیال و خواب کی دنیا نہیں رہی

کیونکہ وہ پوچھتا نہیں بوڑھے شجر کا حال
شاید اسے ضرورتِ سایہ نہیں رہی

آپ علامہ محمد اقبال، فیض احمد فیض، میر انیس، ڈاکٹر بشیر بدراور پیر نصیر الدین نصیر کے شاعرانہ اسلوب کا
گرویدہ ہے اور فیصل آباد کے مقامی شعرائے اکرام میں ڈاکٹر ریاض مجید، نصرت صدیقی، کوثر علی، پروفیسر
مسعود اختر اور سرور خان سرور سے متاثر ہے آپ فیصل آباد کے ایک ادبی تنظیم پیغامِ محبت پاکستان یوتھ ونگ جو
نوجوانوں میں ادبی ذوق کی آبیاری کے لیے کام کر رہی ہے آپ اس کے پریذیڈنٹ ہے۔

☆☆☆

نعت

پہلے صمیمِ قلب سے رب کو الہ کہوں
پھر بارگاہِ ناز میں صلے علی کہوں

روتی رہی ہے آنکھ جو امت کے واسطے
اس نظرِ التفات کو جو د و سخا کہوں

جو لفظ مل رہے ہیں مجھے نعت کے لیے
اس خوبیِ خیال کو لطف و عطا کہوں

کہتا ہوں جیسے آج کریں حال پر نظر
ایسے کرم کے واسطے روزِ جزا کہوں

غزل

کہنے کو یوں تو بزم میں ہم ساتھ ساتھ تھے
وہ مجھ گفتگو رہے ہم مجھ ذات تھے

ان سے ملے، تو بات چلی، شام ڈھل گئی
ایسے کمال لوگ مری کائنات تھے

گزرے جو تیرے ساتھ وہی زندگی ہوئے
لمحے ترے فراق کے دن تھے نہ رات تھے

باتوں میں اس کا ذکر مری بے سبب نہیں
منسوب اس کے ساتھ سبھی واقعات تھے

قرآن میں جو بیان ہوئے ماورائے عقل
قصے کہانیاں نہ سمجھ معجزات تھے

ان کے لیے جو لفظ سر بزم کہہ دیئے
وہ ندرت خیال مرے دل کی بات تھے

کیسے مناؤں غم میں کسی سانچے کا اب
جب آنکھ کو ہی خواہشِ گریہ نہیں رہی

بوجھل قدم سے کیسے چلوں بے وفا کی اور
تشنہ لبی کو حسرتِ دریا نہیں رہی

آوارگی شوق بھی پورا نہیں ہوا
پہلے کے جیسی وسعتِ صحرا نہیں رہی

یوں تو چھوٹا تھا اس نے کئی بار پیرہن
کیوں بوئے لمسِ یار مجھے آ نہیں رہی

شاید کسی کے پیار نے بے باک کر دیا
پاشا وہ لڑکی پہلے سی شرما نہیں رہی

☆☆☆

کہاں سے لائے گا وہ بندگی جبینوں تک
جو اپنے ہاتھ سے اپنا خدا بناتا ہے

زمانہ دے بھی سکے گا اسے خراج میں کیا
ضیائیں بانٹنے کو جو دیا بناتا ہے

حصارِ عشق بناتا ہے دائرہ پاشا
خیالِ یار دلِ بتلا بناتا ہے
☆☆☆

غزل

ہم اس کے نگر عشق سے ہارے نہیں جاتے
پر چشمِ تصور سے نظارے نہیں جاتے

ہے پاس زمانے کی روایات کا لیکن
تم جیسے حسین رسموں پہ وارے نہیں جاتے

پاشا ہزار بار ہوا ہم کو یہ گماں
تہائی میں ہجوم میں، ہم اس کے ساتھ تھے
☆☆☆

غزل

جو علم و آگہی کو رہنما بناتا ہے
وہ اہل حق کے لیے راستہ بناتا ہے

کٹے درخت کا دکھ پوچھ اس پرندے سے
نخسِ بریدہ سے جو گھونسلا بناتا ہے

زمیں پہ کھینچ لکیریں وہ ایک دیوانہ
تمام لوگ تھے حیران، کیا بناتا ہے

گھٹن کے شہر سے میرا سلام ہے اس کو
شجر لگا کے جو تازہ ہوا بناتا ہے

غزل

اک حسین خواب کو تعبیر بنا سکتا ہوں
راجھے کی مثل اسے ہیر بنا سکتا ہوں

یوں تو عرصہ ہوا دیکھا نہیں اس کو پھر بھی
میں فقط عکس سے تصویر بنا سکتا ہوں

دکھ عیاں کرتا نہیں ہوں کہ تماشا نہ بنے
چہرے کو کرب کی تفسیر بنا سکتا ہوں

تیری تصویر کو دے کر میں زباں چاہت کی
بات کرتی ہوئی تحریر بنا سکتا ہوں

عشق کے کر کے بیاں وصفِ مسیحا میں
حسن کو قابلِ تسخیر بنا سکتا ہوں

جو مرا ہے وہ مرے ساتھ رہے گا برسوں
عشق کو پاؤں کی زنجیر بنا سکتا ہوں

ہو میسر جو مجھے فکرِ حسینی پاشا
زورِ تحریر سے شمشیر بنا سکتا ہوں

کچھ اور حسین لوگ ہمیں دنیا میں ملتے
جو گردشِ دوراں سے وہ مارے نہیں جاتے

کس کس کو بتائیں کہ جدائی میں ہمارے
دن خود ہی گزرتے ہیں گزارے نہیں جاتے

ہم دور تلک جاتے ترے نام پہ لیکن
پیچھے سے اگر نام پکارے نہیں جاتے

تم خود ہی چلے آؤ مرے دشتِ زبوں میں
چشموں کی طرف لوٹ کے دھارے نہیں جاتے

بچپن سے رہے ہیں جو مری ملک میں پاشا
اب ساتھ مرے چاند ستارے نہیں جاتے

☆☆☆



اسامہ اکبر زیب

آپ کا اصل نام اسامہ اکبر اور تخلص زیب ہے۔ 7 جون 2003 کو آپ کا جنم ہوا۔ آپ کا تعلق ضلع بہاولنگر، تحصیل فورٹ عباس کے ایک قصبہ نما شہر کھچی والا (جنوبی پنجاب) سے ہے۔ آپ ایک طالب علم ہیں اور حال ہی میں یونیورسٹی آف دی پنجاب، لاہور سے انگلش لٹریچر، فلاسفی اور سوشیالوجی جیسے مضامین کے ساتھ بیچلر کی ڈگری حاصل کی۔ آپ نے اپنی شاعری کا آغاز سال 2020 میں کیا، اب تک 100 سے زائد کلام لکھ چکے ہیں اور ایک کتاب زیر تخلیق ہے۔ غزل اور پابند نظم آپ کے پسندیدہ موضوع ہیں۔ حلقہ احباب ذوق اور عوام الناس نے آپ کے مجموعہ کلام کو کافی سراہا، آپ متعدد ادبی نشستوں میں اعزازی اسناد بھی حاصل کر چکے ہیں۔ دو بار نیشنل ٹیکسٹائل یونیورسٹی، فیصل آباد کے سالانہ آل پاکستان مشاعرہ میں اپنے کلام پڑھنے کا بھی اعزاز حاصل کیا۔ اس کے علاوہ انعام الحق فاؤنڈیشن، اسلام آباد کے لٹریٹری ڈیپارٹمنٹ (Literary Department) کے صدر ہیں۔ آپ کی تمام تر شاعری آپ کے مرحوم بھائی حافظ اورنگ زیب اور آپ کی والدہ محترمہ کے نام ہے۔

ایم۔ اے تاریخ کی ڈگری حاصل کی ہے۔ المختصر موجودہ دور میں آپ نے اپنی شاعری سے اپنے لیے ایک الگ مقام بنایا ہوا ہے۔

آہنگ اور عروض کے اعتبار سے آپ کا کوئی اسناد نہیں ہے، آپ نے خود اپنی محنت اور کتابوں کے مطالعہ سے

م عروض سیکھا اور ساتھ ساتھ دوسرے لوگوں کو بھی سکھایا۔ بقول آپ

کے آپ الفاظ کا صحیح استعمال اور اردو لغت کے حوالے سے اپنی والدہ محترمہ سے رہنمائی لیتے ہیں جنہوں نے اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور سے ایم۔ اے تاریخ کی ڈگری حاصل کی ہے۔ المختصر موجودہ دور میں آپ نے اپنی شاعری سے اپنے لیے ایک الگ مقام بنایا ہوا ہے۔

☆☆☆

غزل

عقل و خرد لیے ہوئے حیران ہونے کو
ہم اس جہاں میں آئے پریشان ہونے کو

چپ ہیں میاں ٹہل رہے ہیں سخنِ حزن میں
دل بچھ چلا ہے شام ہے سنسان ہونے کو

دل کے بھی طور دیکھیے، کس طور ہو گیا
کوئے بتاں ہے کوچہ انجان ہونے کو

کچھ بات تو ہے آج مروت سے بولے وہ
ہے میرے سر کوئی نیا احسان ہونے کو

ایک خوش رنگ مکان میرے تصور میں تھا پر
وہ زمیں بیٹھ گئی میرا مکان ہونے تک

اس کے قصے میں مرا نام و نسب تھا ہی کیا
میں تو بس شخصِ فلاں سے تھا فلاں ہونے تک

زندگی وہم و گُماں، کرب و بلا سے گزری
اُس اسامہ سے کوئی زیبِ میاں ہونے تک

☆☆☆

غزل

چشمِ جہانِ سنگ و خرافات سوچ مت
چل میرے ساتھ بعد کے حالات سوچ مت

یہ رقصِ صحنِ شب ہے دمِ درزشِ جنوں
ہو جا فنا جنوں میں کوئی بات سوچ مت

مطلب تو آشنائی میں پاسِ وفا سے تھا
میں کیا کروں تمہارے پشیمان ہونے کو؟

دورانِ عہدِ شوق پڑے ہیں عذاب میں
ممکن نہیں حیات ہو آسان ہونے کو

عقل و شعور اپنی جگہ ٹھیک ہیں مگر
انسان آج کا نہیں انسان ہونے کو

☆☆☆

غزل

زندہ تھے ہم کسی وحشت کی دکان ہونے تک
بوڑھے ہوتے گئے ہم لوگ جواں ہونے تک

تم نے جبرا ہمیں چاہا، کوئی چاہت نہیں تھی
کھیل اچھا تھا مگر راز عیاں ہونے تک

ایک تو ذہن، جو حالات کا مارا ہوا ہے
دوسرا دل ہے کہ جذبات کا مارا ہوا ہے

پوچھی جو وجہ جفا تو کہا چڑ کے سر بزم
یہ دیوانہ ہے خرافات کا مارا ہوا ہے

حاصلِ عیش و طرب کیا، یہ قرارِ جاں کیا
جو ترے وصل کے لمحات کا مارا ہوا ہے

سر بہ سر خاک ہے، دشنام ہے، اور طعنے ہیں
کوئے یار ایسی مدارات کا مارا ہوا ہے

ساتی کہتا ہے کسی یاد میں گم ہو کے پی جا
شیخِ اول سے ہدایات کا مارا ہوا ہے

ذہنی بیمار ہے اے زیبِ یہ دنیائے جدید
آدمی خواہشِ عورات کا مارا ہوا ہے

☆☆☆

واللہ، گمان و سوز و فریب و فسوں غضب
مخلوقِ دشتِ شوق کے خطرات سوچ مت

ہم شہرِ آرزو کے پراسرار لوگ ہیں
دنیاے خار و خس کی رسومات سوچ مت

بندِ قبا کو کھول کمالِ وصال دیکھ
مخمور ہو لے شعبہ جذبات سوچ مت

آ میرے سنگِ شوقِ سفر کا مزہ اٹھا
منزل کو چھوڑ جبرِ مسافات سوچ مت

عمرِ رواں کے ساتھ ہے آسیبِ رفتگاں
پچھتاوا ہوگا، کر لے ملاقات، سوچ مت

☆☆☆

غزل

اپنے مطلب کی کسی بات کا مارا ہوا ہے
یہاں ہر شخص مفادات کا مارا ہوا ہے

چلتے ہیں سر کٹانے کو ہم آج منہ کے بل
کوئے بتاں میں دامِ خطا کار ٹھیک ہے



غزل

الجھی ہے سوچِ ذہن تضادات کا شکار
یوں ہے کہ آدمی ہوا حالات کا شکار

حالت یہ ہے کہ ہر کوئی شوریدہ سر ہوا
اک طعنہ زن تو دوجا خرافات کا شکار

ان سے تو پوچھو ہجر تھکاتا ہے کس طرح
کمرے میں رہ کے جو ہیں مسافات کا شکار

ایک ایسی دوڑ سی ہے جہانِ خراب میں
عجالت میں ہر کوئی ہوا صدمات کا شکار

غزل

آزار سے گھرا ہوا بے زار، ٹھیک ہے
بیمار ہو کے بھی ترا بیمار ٹھیک ہے

کوئی رہے گا نازِ محبت میں زیرِ رم
کوئی فریبِ خوگرِ پندار ٹھیک ہے

ایسی شکست و ریخت کا گھاؤ ملا کہ اب
مسمار ہے امید سو مسمار ٹھیک ہے

یہ شکوہِ فراق بھلا کس سے کر رہیں؟
کیا حالِ دل سنائیں؟ کہ بس یار! ٹھیک ہے

میں پوچھتا ہوں اہلِ خرد بار سے یہ بات
اچھا ہے کون یاں؟ کوئی کردار ٹھیک ہے؟

میں ایک جسمِ سوز ہوں سو میرے ارد گرد
ان تلخیوں کی گردشِ سیار ٹھیک ہے



منابھل راجپوت مہنی

اصل نام منابھل اکبر علی جبکہ قلمی نام منابھل راجپوت مہنی اور تخلص منابھل ہے آپ شہر اوکاڑہ سے تعلق رکھتی ہے اور آپ کی جائے پیدائش لاہور ہے تاحال آپ سعد سٹی میں مقیم ہیں۔
آپ نے اپنی شاعری کا آغاز سال 2015 میں 12 سال کی عمر میں کیا اور ابھی تک یہ سلسلہ جاری ہے۔ بقول آپ کے پسندیدہ شاعر قتیل شفائی، فرحت عباس شاہ، وصی شاہ، اکبر الہ آبادی، راحت اندوری، محسن نقوی اور امجد اسلام امجد ہے۔

آپ کو صنفِ غزل پسند ہے اور زیادہ تر اُسی میں طبع آزمائی کرتی ہے آپ کو فنِ غزل پہ عبور حاصل ہے اور عوام الناس میں آپ کے بہت سے مداح ہے آپ نے غزل کی علاوہ کئی نظمیں بھی لکھی جس میں آپ کی ایک نظم ”وہ پھولوں کی شوقین لڑکی“ بہت مقبول ہوئی اور آپ کی پہچان بنی۔

☆☆☆

کیا جو جھنا ہے تنگی حالات سے اے زیب
آخر کو زندگی ہے فقط مات کا شکار

☆☆☆

غزل

سب کے لب پر سوال ہیں زلفیں
وہ گھٹا ہیں یا جال ہیں زلفیں

جگنو آتے ہیں کہتے جاتے ہیں
کیسا حسن و جمال ہیں زلفیں

چاند پھرتا ہے دید کو شب بھر
اور چہرے پہ شال ہیں زلفیں

آئینہ بس یہ بولے جاتا ہے
کتنی دلکش کمال ہیں زلفیں

دھوپ لگنے بھی ہیں نہیں دیتیں
کتنا رکھتی خیال ہیں زلفیں

رقص خوشبو کا ہونے لگتا ہے
ڈالتی جب دھمال ہیں زلفیں

غزل

صنفِ نازک ہوں میں حالات سے ڈر لگتا ہے
عمر کچی ہے تو ہر بات سے ڈر لگتا ہے

پیار کرنے کو یہ اُکساتا ہے دل بھی مجھے
میں کروں کیا اب خیالات سے ڈر لگتا ہے

پھر تماشہ سا نہ بن جائے کوئی دل سے میں
کہتی رہتی ہوں سوالات سے ڈر لگتا ہے

ٹوٹ جاؤں نا کہیں پھر سے تیرے ہاتھوں میں
ایسی سوچوں سے ہاں لمحات سے ڈر لگتا ہے

ہنستی رہتی ہوں کبھی ٹوٹ کے پیار آتا ہے
میں ہوں لیکن مجھ کو جذبات سے ڈر لگتا ہے

بات کرتی ہوں تو خود سے ہی میں لڑ پڑتی ہوں
تجھ سے الفت تو ہے، خدشات سے ڈر لگتا ہے

ہر پل ہر دن ہر لمحے میں
تجھے سوچتی رہتی ہیں آنکھیں

جب آنکھ کھلے کوئی خواب آئے
تجھے دیکھتی رہتی ہیں آنکھیں

ترا پتا منابل سب سے ہی
اب پوچھتی رہتی ہیں آنکھیں

☆☆☆

غزل

ابھی جو اب کی بار چھڑایا نہ جائے گا
اس پیار سے دل اپنا بچایا نہ جائے گا

یہ پیار ہو گیا تو چھپایا نہ جائے گا
خود اپنا آپ تم سے منایا نہ جائے گا

میرے چہرے کو دیکھنے والے
دیکھ مت اس کی ڈھال ہیں زلفیں

☆☆☆

غزل

کیوں بکھری رہتی ہیں آنکھیں
تجھے ڈھونڈتی رہتی ہیں آنکھیں

جہاں دیکھوں میں جب جب دیکھوں
تجھے کھوجتی رہتی ہیں آنکھیں

جب ہونٹ ہلکیں یہ ہاتھ اٹھیں
تجھے مانگتی رہتی ہیں آنکھیں

اک نام کو لکھ کر مہندی سے
اسے چومتی رہتی ہیں آنکھیں

غزل

یہ آنکھ اب روتی رہتی ہے اور دل یہ دہائی دیتا ہے
وہ میری جاں کا دشمن اب کیوں مجھ کو صفائی دیتا ہے

تب چھوڑ گیا تھا کیوں مجھ کو جب اس کا ہونا لازم تھا
کیوں ہاتھ اب جوڑے آتا ہے کیوں مجھ کو دکھائی دیتا ہے

جس راہ پہ چلنا جرم ہوا جس راہ پہ جینا مشکل ہے
اس راہ کے اک اک تالے تک کیوں مجھ کو رسائی دیتا ہے

جہاں دھوکہ دہی پر بات آئے جہاں خون ہو سارے رشتوں کا
اک شخص دکھائی دیتا ہے اک نام سنائی دیتا ہے

جو جان سے پیارا ہو جائے بس اس کی مناہل عادت ہے
جب دے وہ درد ہی دیتا ہے غم دے کے جدائی دیتا ہے

☆☆☆

جاؤ نہ یوں قریب کسی اجنبی کے تم
رو دو گے پر وہ شخص بھلایا نہ جائے گا

اک بار آ گیا جو کبھی دل پہ اس کا نام
تو سوچ لو کہ دل سے مٹایا نہ جائے گا

اشکوں کی سلطنت ہے یہ الفت ہے جس کا نام
اک بار آ پھنسے کہیں جایا نہ جائے گا

لفظوں میں لکھ دو درد مناہل یہ سوچ کر
لوگوں کو اتنا درد سنایا نہ جائے گا
☆☆☆



لیاقت علی گمان الم

اصل نام لیاقت علی اور تخلص بیک وقت دو گمان اور آلم ہیں۔ بقول آپ کے محترم سینئر پروفیسر رشید احمد صاحب نے آپ کو ایک دن کہا کہ لیاقت صاحب ایک وقت میں دو تخلص رکھنے کی روایت اردو میں پہلے نہیں ہے۔ تو جواباً آپ نے کہا کہ چلیں پھر اس رسم کی بنیاد ہمیں رکھتے ہیں جیسے میر صاحب نے فرمایا تھا کہ:-

نامرادی کی رسم میر سے ہے
طور یہ اس جوان سے نکلا

آپ منڈی بہاؤ الدین کے ایک "چھموں" نامی گاؤں میں 15 نومبر 1994ء کو بروز منگل پیدا ہوئے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں کے ایک پرائیویٹ اسکول "علی ماڈل مل اسکول چھموں" سے اور ثانوی تعلیم ہمسایہ گاؤں "ساہنا" میں گورنمنٹ لیاقت ماڈل ہائی اسکول سے حاصل کی اور پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے اردو کا امتحان پہلے درجے کے ساتھ پاس کیا۔ آپ تاحال پاک فضائیہ کالج نورخان، راولپنڈی میں ایک معلم کی حیثیت سے اپنی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ آپ نے اپنی شاعری کا آغاز اسکول کے دور سے کیا۔ اپنے اساتذہ کی حوصلہ افزائی اور رہنمائی کی

نظم

مجھے ہنسنے کے مطلب کا
پتا ہے جانتی ہوں سب

کہ ہنسنا کس کو کہتے ہیں
ہنسا پھر کیسے جاتا ہے

مگر اک بات کہنے کو
مچلتا ہے یہ دل میرا

کہ اندر ٹوٹ جائے سب
رہے باقی نہ کچھ بھی تو

بدن کا بوجھ لے کر پھر
جیا جا سکتا ہے لیکن

کبھی اترا کے کھل کے پھر
ہنسنے جانا نہیں ممکن
ہنسنے جانا نہیں ممکن

یہاں شخص کی محبت پہ لگاتے سب ہیں فتوے
ہیں فقط یہ لعل و گل ہی ترے ترجمان جیسے

نہ تو دید کی عنایت، نہ ہی بات چیت کوئی
کوئی میزبان نہ ہو گا، مرے میزبان جیسے

میں تمہارے بن ادھورا ہوں کچھ اس قدر آلم جی
کہ بغیر چھت کہیں پر کوئی ہو مکان جیسے

☆☆☆

غزل

تمہارے ساتھ چلتا ہوں کہ تم جگنو پکڑ لینا
کہیں پر ڈگمگاؤ تو مرا بازو پکڑ لینا

تمہارے نام پر میں نے خودی کو وار ڈالا ہے
شکایت کا جو موقع دوں مرے گیسو پکڑ لینا

بدولت آپ کو علم عروض پر مکمل دسترس حاصل ہے۔ سوشل میڈیا پر کافی لوگ آپ کی شاعری کے مداح
ہیں اور آپ سے اپنے کلام کی تصحیح کرواتے اور علم عروض سیکھتے ہیں۔

☆☆☆

غزل

یوں ستم کرے ہے مجھ پر، میں ہوں اک حیوان جیسے
کوئی مہربان نا ہو، مرے مہربان جیسے

مری مشکلوں میں گزری ہے حیات اور تو بھی
مجھے لگ رہا ہے اب تو کسی امتحان جیسے

تو مرا بنے گا اک دن، یہ امید دل میں رکھنا
مرے سب یقین محکم ہیں ترے گمان جیسے

میں بھی دوسروں کو دیتا رہا زحمتِ زندگانی
یہ شجر بھی کٹ رہے ہیں مری آن بان جیسے

غزل

دن رات سوچتا ہوں کہ اب تیرا کیا ہوں میں
کیا مجھ کو جانتی ہو تم، کیا تم کو جانتا ہوں میں؟

کتنی عجیب بات ہے جب سے ہوا ہے عشق تو
کانٹوں کو چومتا ہوں میں پھولوں سے بھاگتا ہوں میں

اس کی سزا جو بنتی ہے مجھ کو عطا کرو صنم
ہر شب تری اداؤں کے سو خواب دیکھتا ہوں میں

مجھ سے نباہ کا حوصلہ ہو بھی تو کس میں ہو بھلا
کہ برف پر ہے گھر مرا، اور آگ میں پلا ہوں میں

کچھ بھی نہیں بجز خلا اس عشق کے سفر میں تو
کئی سال اس کی رہگزر پہ رات دن چلا ہوں میں

اس کے وجود سے ہی میں اپنے میں کائنات تھا ایک
اب وہ نہیں رہا تو سوچ کتنا بڑا خلا ہوں میں

یہاں پھولوں کی عمروں سے بھلا کوئی ناواقف ہے
سو میں جب بھی بکھر جاؤں مری خوشبو پکڑ لینا

میں مر کے بھی نہیں بھولوں گا تیری اس محبت کو
پچھڑتے وقت وہ مجھ کو ترا یکسو پکڑ لینا

ہے یوں تو زندگی ساری فقط جھوٹی فقط دھوکہ
مگر اس میں جو عشقا ہے تو وہ جادو پکڑ لینا

وہ اک رشتہ محبت کا جو ہم میں تھا، جو ہم میں ہے
رہے گا بھی کہانی میں سو اس کو تو پکڑ لینا

وفا کے جنگلوں سے جب گزرنا ہو تو یوں کرنا
آلم تم خود ہی اپنے ہو، سو یہ آہو پکڑ لینا

☆☆☆

تھا پہلے یوں کہ تمھاری دوری سے دل تمھاری تھا راہ تکتا
پرائے بازو تھے اور تم تھے دقیق دکھ ہی سمیٹیں ہیں اب کے

گمان نامی وہ ایک لڑکا بھی ریت رسموں کے در پہ قرباں
خدا کے بندے بھی ماسوائے خدا کے در کے جھکیں ہیں اب کے

☆☆☆

غزل

مری نظر میں تو زیب و زینت کے بن بھی سب سے حسین ہو تم
سُبَّاس پُرْ عَنبَرِینِ ہو تم، گلِ سَمَنِ یاسمینِ ہو تم

کمال آنکھیں، مثال جن کی ہیں ہیرے موتی، یہ لعل و گوہر
زریں بدن میں زرین ہو تم، خدا قسم آفرین ہو تم،

گلِ بِنَفْسِہِ، گلِ داؤدی، یہ سب تمھاری ہنسی کے رنگ ہیں
یہ پھول سر صدقہ ہیں جس کا، خدا کی وہ سر زمین ہو تم

گلاب چہرہ، انار چہرہ، بہار چہرہ، خمار چہرہ
دکھائی دے جس میں رب کی قدرت وہ حسنِ للعالمین ہو تم

دونوں ہی مبتلا ہیں ہم اک دوسرے کے ہجر میں
وہ ہنس کے جی رہا ہے اور رو رو کے کاٹتا ہوں میں

☆☆☆

غزل

وطن کے دشمن میں کیا لکھوں کہ، وطن کے باسی بنیں ہیں اب کے
کیا اس وطن کی ہی ماؤں نے یہ کمینے بچے جنیں ہیں اب کے

وہ باندھ کر بومب پیٹ پر جن نے دشمنوں کے تھے ٹینک اوندھے
انہی کے بچے بغرضِ دولت اسی وطن سے لڑیں ہیں اب کے

الف سے اللہ پڑھا تھا جن نے، محمدی میم کے شیدائی
قراں کی تعلیم کے یہ داعی تو ڈارون کو پڑھیں ہیں اب کے

یہ مشرقی خاک کے بساری یہ مغربی ریت کے پجاری
سورشتوں ناتوں کو بھول کر اک ہوس کی لت پہ مریں ہیں اب کے

جوانیوں میں وہ رس نہیں کہ ادائیگی فرض کی ہی کر دیں
ہیں دلہنوں کے سہاگ زندہ مگر وہ مردہ لگیں ہیں اب کے

ملائک صفا تھے عزیز زلیخا
حریف شریعت گنہگار ہیں ہم

نہیں تم پہ کوئی بھی حق اب ہمارا
حقیقت جو دیکھیں تو حقدار ہیں ہم

تمہیں دل ہمیشہ ہی دل میں رکھے گا
کہ ویسے بھی یادوں سنسار ہیں ہم

کوئی جا کے لے آئے ان کو خدارا
آلم جن کی عادت کے بیمار ہیں ہم
☆☆☆

یا قوت مرجان لب تمہارے، ہیں سانپ گیسو و تیغ ابرو
پری ہے وہ جس کی تم ہو بیٹی، و شاہ کی جانشین ہو تم

جگہ جگہ ہے تمہارا جلوہ، نگر نگر ہیں تمہاری باتیں
نظر نظر میں حسین ہو تم، جگر جگر میں مکین ہو تم

گمان تم کو یہ کیا ہوا ہے، بشر میں کیا کیا دکھے ہے تم کو
گمان کس نے تری سنی ہے، گمان کس کا یقین ہو تم؟

☆☆☆

غزل

محبت کی صف میں علمدار ہیں ہم
وفادار ہیں ہم خدادار ہیں ہم

زمانہ ہمیں یاد کرتا رہے گا
وفا کی کہانی کے کردار ہیں ہم

اداسی ہے فطرت حقیقی ہماری
ہنسانے میں ماہر ریاکار ہیں ہم

حمد باری تعالیٰ

سب سے عظیم تر ہے اللہ نام تیرا
جل جلالہ ہے عالی مقام تیرا

جن و بشر، ملائک، خلقت تری سوالی
گل رحمتوں کا دریا چلتا ہے عام تیرا

قادر کریم تو ہے، ستار ذات تیری
دن سے عیاں ہے جلوہ، پردہ ہے شام تیرا

الفت کی انتہا ہے سوچوں سے بھی ورا ہے
ہر لحظہ مصطفیٰ پر جاری سلام تیرا

ہر آن سر بسجودہ واجب ہے شکر مجھ پر
ہے تختِ دل پہ صادر ہر اک پیام تیرا

تیری رضا کا حاصل المختصر یہی ہے
عشقِ نبی کا تابع دیکھا نظام تیرا



لیاقت بھٹہ جتوئی

اصل نام لیاقت حسین جبکہ قلمی نام لیاقت بھٹہ جتوئی ہے آپ 2 جنوری 1980 کو پیدا ہوئے۔ آپ شہر جتوئی ضلع مظفر گڑھ پنجاب سے تعلق رکھتے ہیں آپ نے اپنی بی اے کی ڈگری منہاج یونیورسٹی سے اور فاضل اُردو کی ڈگری لاہور بورڈ سے حاصل کی۔

آپ کو مجازی شاعری کی نسبت حقیقی شاعری، روحانیت سے رغبت نسبتاً زیادہ ہے۔ آپ نے حمد، نعت و منقبت کے علاوہ حالاتِ حاضرہ و انسانیت کو درپیش مسائل کو اپنے شعروں میں اجاگر کیا۔ آپ شاعری کے ساتھ ساتھ نثر سے بھی لگاؤ رکھتے ہیں۔ خالقِ لم یزل نے بہت سی خوبیوں سے نوازا ہے بقول آپ کے آپ اپنے پیرومرشد پیر سید نصیر الدین نصیر گوڑوی صاحب کی شاعری سے نسبت رکھتے ہیں۔

ان کے شعری جذبوں کے روح رواں محترم خالد محمود اویسی آف خانقاہ شریف ہیں۔

شاعری کے حوالے سے آپ کو علمِ عروض میں رہنمائی جناب محترم محمد وسیم سدوی صاحب آف لاہور سے حاصل ہوئی جو فنِ شاعری میں مہارت کے ساتھ ساتھ شفقت و وسعتِ قلبی کی نعمات سے مالا مال ہیں۔

مرے خیال سے آقا کبھی بھی ہٹتے نہیں
مگر تو کہتا ہے تجھ پر کوئی عطا ہی نہیں

رسولِ پاک کی حرمت پہ حملہ ہوتا رہا
بتا کے سینے میں یہ درد کیوں اٹھا ہی نہیں

نبی نبی ہے لیاقتِ خدا خدا ہے مگر
مرا رسول خدا سے کبھی جدا ہی نہیں

☆☆☆

منقبت

ولا کی بزم سجا کر علی کی بات کرو
وفا شناس بلا کر علی کی بات کرو

خدا کی حمد و ثنا پھر درود پڑھ کے سبھی
نبی کی نعت سنا کر علی کی بات کرو

جو دو سخا کی رم جہم بر سے تری عنایت
ہے ملتجی لیاقتِ عاجز غلام تیرا

☆☆☆

نعت

مرے نبی سا جہاں میں کوئی بنا ہی نہیں
کسی بھی ماں نے کبھی ایسا تو جتا ہی نہیں

نثار سارے زمانے کے ہیں حسین ان پر
خدا نے حسن کسی کو بھی یہ دیا ہی نہیں

بنایا ان کو خدا نے انھی کی مرضی سے
قسم خدا کی محمد سا پھر ہوا ہی نہیں

خدا کے بعد تو رتبہ ہے پنچتن کا مگر
ارے اے مفت کے مفتی تجھے پتا ہی نہیں

غزل

غربت کے امتحاں میں انسان آج کل ہے
حالات کا ستایا ہر آن آج کل ہے

آسان اب نہیں ہے خوشیاں تلاش کرنا
جس سمت دیکھتے ہیں ہیجان آج کل ہے

کن گردشوں نے اس کو گھیرا ہوا ہے ہر سو
اپنا جو کل تک تھا انجان آج کل ہے

مغموم ہر بشر ہے شکوہ نہیں کسی سے
دنیا میں ہر جگہ پر بجران آج کل ہے

مت پوچھ میزباں سے کیسے گزر بسر کی
افردگی میں یارو مہمان آج کل ہے

اعمال اپنے پر نم سب کچھ بتا رہے ہیں
آنی ہیں آندھیاں اب امکان آج کل ہے

حسن حسین کے اور زہرا پاک کے منگتو
ادب سے سر کو جھکا کر علی کی بات کرو

مرا مداوائے غم تو علی کی بات سے ہے
یقین گر ہو تو آ کر علی کی بات کرو

مرا ایماں ہے بنیں گے یہ مغفرت کا سبب
کبھی تو اشک بہا کر علی کی بات کرو

ہو بات ان کی ولادت کی اور شہادت کی
تو خانہ کعبہ میں جا کر علی کی بات کرو

سنو یہ عرض لیاقت کہ حق کے منبر پر
علم علی کا اٹھا کر علی کی بات کرو

☆☆☆

مری وفا تجھے مجھ تک ضرور لائے گی
کبھی تو یار کرو گے یہ دل نہال مرا

قسم خدا کی چمن بھی اداس ہے اپنا
ترے بغیر تو جینا ہوا محال مرا

ترے بغیر لیاقت بہت ادھورا ہے
یقین دلائے گا اک دن تجھے وصال مرا

☆☆☆

غزل

صنم کی یاد میں اکثر جو اشکبار ہوئے
وہی نفوسِ محبت کے تاجدار ہوئے

ہمی نے درد کا ان کے سدا مداوہ کیا
ستم ظریف اگرچہ ہمیں شمار ہوئے

مہنگائی اور سیاست ہمدوش گفتگو ہیں
جمہور کا لیاقت عنوان آج کل ہے

☆☆☆

غزل

کمال تیرا ہے اس میں نہیں کمال مرا
ترے خیال سے ہٹتا نہیں خیال مرا

سنجھانا ہے ترے بس میں جاناں حال مرا
ہے تو ہی چارہ گر شوق بے مثال مرا

ترس یہ کھاؤ کہ مل جاؤ دو گھڑی مجھ سے
بھٹکتا ہے سرگرداں ہر ایک سال مرا

ترے فراق سے پہلے تھا آئینہ بھی حسین
ترے جمال سے قائم رہا جمال مرا



اعجاز ابطی

اصل نام اعجاز حسین علوی جبکہ قلمی نام اعجاز ابطی ہے آپ کا تعلق ضلع ٹوبہ صوبہ بلوچستان سے ہے آپ نے بلوچستان سے ایم فل، بی ایڈ کی ڈگری حاصل کی۔ بقول آپ کے قرآن حکیم کی خوش بیانی، حضرت ابوطالب کی نعتیہ شاعری ادبیات سے رغبت کا باعث بنی۔ استاد قمر جلالوی، قیصر بارہوی، علامہ نجم آفندی، محسن نقوی شہید آپ کے پسندیدہ شعرا ہیں۔

آپ نے اپنے کلام کی اصلاح علامہ پروفیسر ظل صادق زیدی صاحب، راحل بخاری صاحب اور محمد وسیم سدوی صاحب ان تمام علم عروض کے ماہر اساتذہ کرام سے لی۔

آپ کا شاعری کے ساتھ ساتھ نثر میں بھی موضوعاتی تحقیقی کام جاری ہے آپ نے بہت سی ادبی سیمینارز و مشاعروں میں شرکت کی اور اس کے علاوہ آپ کا منظوم کلام مختلف ماہناموں میں شائع ہوتا رہا جبکہ آپ کا پہلا شعری مجموعہ "فطرت" طباعت کے مراحل میں ہے

رہا نہ ہوش خودی کا ہیں خواہشیں کیسی
بُنے تھے خواب جو دل میں وہ تار تار ہوئے

سکھا دیا مجھے الفت نے شاعری کا ہنر
گلہ نہیں ہے قسم سے جو دل فگار ہوئے

شریکِ عشق کی یادیں سب علاج کا تھیں
رقیب تھے جو ہمارے وہ نمگسار ہوئے

شکار کرنے کی جرات نہ اب عدو کرنا
کہ تیر ہجر کی ضربت سے ہوشیار ہوئے

کہوں نہ کس لیے الفت ہے بندگی یارو
پنا عمل کے لیاقت جو بیڑے پار ہوئے

☆☆☆

جو بھی مرے رسول کے میلاد میں ہے شاد
وہ مستحق رہے گا سدا آفرین کا

شاہوں کے سر کا تاج ہے اعجازِ ابطی
نعلینِ پاک تاج ہے جس کی جبین کا

☆☆☆

منقبت

ہر شے کی ابتدا میں ہے حمد و ثنا کی بات
موجود کائنات کی، ربِّ علیٰ کی بات

ہیں رحمتیں جہاں میں محمدؐ کے نام سے
ہو اصطفائے قلب کی صلے علیٰ کی بات

مل جائے ایک جام اگر سلسبیل سے
کرتا رہوں گا تا بہ ازل مرتضیٰ کی بات

ماؤں کے واسطے ہے صراطِ جنات کا نور
جانِ علیٰ و بیتِ رسولؐ خدا کی بات

نعت

لکھتا ہے وصفِ پاک شہِ عالمینؐ کا
خامہ ہے مشکِ بارِ سخنورِ متینؐ کا

پڑھتا ہے ربِ قصیدہ کلامِ مجید میں
زلفِ لطیف و خوشِ روش و عنبرین کا

رشکِ فلک ہے آجِ مدینہ کہ ہو گیا
نورِ رسولِ پاکِ مقدرِ زمین کا

شافعؒ ہے سب کا حشر میں وہ آمنہؓ کا لعل
ناصر ہے وہ، امام ہے کلِ عالمین کا

رحمت ہیں، ان کی وجہ سے آتا نہیں عتاب
ممنون ہے جہان یہ صادقِ امینؐ کا

عزیز آبرو کا مرتبہ مقام رہے
یہ سال فکر کی تہذیب کی کتاب بنے

رسولِ پاک کی رحمت کا سر پہ ہو سایہ
خرد شعور کی ہادی وہ فکرِ ناب بنے

نہ فقر و فاقہ وطن میں مرے رہے مولا
خلوص اور دیانت یہاں نصاب بنے

کسی پہ ظلم ہو نہ کوئی دل حزین رہے
نظام عدل ہو، یہ سال آفتاب بنے

یہ ابطحی کی ندائے خلوص ہے مولا
کہ عزم و فکرِ بشر نورِ انقلاب بنے

☆☆☆

دنیا میں آشتی کا اک اعلیٰ اصول ہے
امن، صلح کے امین حسنِ مجتبیٰ کی بات

دنیا میں جس کے نام سے ہے حق جڑا ہوا
اس باصفا حسین، شہیدِ ولا کی بات

دن رات ابطحی کے ہوں کچھ اس طرح مدام
ذکرِ خدائے پاک ہو، آلِ عباء کی بات

☆☆☆

غزل

خدا کرے کہ نیا سال وہ سحاب بنے
خوشی کے پھول اُگائے جہاں گلاب بنے

عداوتیں نہ رہیں، زندگی عذاب نہ ہو
یہ سالِ نو جو یہاں آشتی کا باب بنے

تری جفا نے رُلایا یوں زار زار مجھے
دکھائی دیتے ہیں دو دو بھی چار چار مجھے

تمہاری تیغ سی ابرو نے مجھ کو زیر کیا
تو ان اداؤں نے کر ڈالا تار تار مجھے

سیاہ زلف نے بل کھا کے مجھ کو جکڑا ہے
یہ تیری زلف کا ڈستا ہے مار مار مجھے

تمہارے ہجر نے بخشی ہیں شہرتیں مجھ کو
پکارتا ہے مصائب کا دار دار مجھے

نشاطِ گل کو ترستا ہوں آج گلشن میں
چہار سو نظر آتے ہیں خار خار مجھے

تجھے وہ بھول چکا تو بھی بھول جا اس کو
ستارے کہتے ہیں شب زاد بار بار مجھے

تری اداؤں کا اعجاز غم رسیدہ ہے
تری جفاؤں کا ہے یاد وار وار مجھے

☆☆☆

غزل

الفاظ کی مچان اڑا لے گئی ہوا
اس فکر کے گمان اڑا لے گئی ہوا

دراصل آب و گل سے نوائے ضمیر تھی
گرچہ تھا آسمان، اڑا لے گئی ہوا

عقدے وجودِ خاکی کے سارے ہی کھل گئے
سب فخر کے نشان اڑا لے گئی ہوا

سر پر تھا جن کا سایہِ رحمت، نہیں رہے
مجھ سے وہ سائبان اڑا لے گئی ہوا

دشت ہجراں میں درد اُگتے ہیں
سایہ جن کے شجر نہیں کرتے

جینتا ان سے ہم کو آتا ہے
گو ہم ایسا ہنر نہیں کرتے

تیری فرقت میں دل نہ تڑپا ہو
ایسی شام و سحر نہیں کرتے

بے وفائی کی بات کرتے ہیں
ذکر تیرا مگر نہیں کرتے

ابلیحی کو قرار آ جائے
آپ ایسی نظر نہیں کرتے

☆☆☆

اس باغبان کو بھی خزاں نے رُلا دیا
گلشن کی آن بان اُڑا لے گئی ہوا

دکھ ، درد، یاس، حزن سفینہ ڈبو گئے
درد و الم کی سان اُڑا لے گئی ہوا

طوفاں کی زد پہ ابلیحی بے خانماں ہوا
تینوں کا تھا مکان اُڑا لے گئی ہوا

☆☆☆

غزل

دشتِ فرقت میں گھر نہیں کرتے
درد کو چارہ گر نہیں کرتے

ڈر کے بیٹھے ہیں نوکِ مژگاں پر
میرے آنسو سفر نہیں کرتے

غزل

جو طبیعت میں ذرا گرم روی ہے میری
اختلافات مسلسل میں کئی ہے میری

اس قدر ہجر کی اس دھوپ نے سلگایا وجود
اب تو چھڑی بھی تڑخنے کو ہوئی ہے میری

آپ ہیں اہل خرابات کے ساتھی سنگی
آپ جیسوں سے بنے گی نہ بنی ہے میری

ایسی نخوت پہ تو خود وہ بھی نہیں بخشنے گا
بس یہی سوچنے سے جاں پہ بنی ہے میری

اشکِ خونی جو بہا چشمِ دریدہ نے کہا
آہ یہ عرشِ معلیٰ پہ گئی ہے میری

☆☆☆



عظیم باجوہ

اصل نام محمد عظیم رضا جبکہ قلمی نام عظیم باجوہ ہے۔ تخلص کے طور پر نام اس لیے بھی تبدیل نہیں کیا کہ عظیم سے بہتر اور کیا ہو سکتا ہے۔ بنیادی طور پر سمیٹریال ضلع سیالکوٹ (پنجاب) سے آپ کا تعلق ہے۔ آپ نے 20 مارچ 1996 کو جنم لیا۔ آپ کے والد صاحب آرمی میں ملازم تھے گزر بسر تنگ حالی میں ہوتا تھا لہذا ہوش سنبھالتے ہی آپ نے اپنی حساس طبیعت کے زیر اثر والد کا سہارا بننے کے لیے تعلیم کے ساتھ ساتھ محنت مزدوری بھی شروع کی۔ آپ کی مادری زبان پنجابی تھی لیکن ابتدا ہی سے آپ کو اردو لکھنے اور پڑھنے کا شوق تھا اور وقت کے ساتھ اردو زبان اور ادب میں یہ دلچسپی بڑھنے لگی والد صاحب ریاضی اور سائنس کی تعلیم میں آگے بڑھانا چاہتے تھے لیکن چونکہ فطری میلان آپ کا ادب و شاعری کی طرف تھا لحاظ زیادہ دیر آپ ادب سے دور نہیں رہ سکے اور بی اے آئی ٹی کرنے کے بعد پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے کی ڈگری حاصل کی اور باضابطہ ادب و شاعری کا مطالعہ کیا اور اب ایم فل کی تیاری جاری ہے۔ آپ نے باقاعدہ 2019 میں اپنا پہلا شعر کہا۔ آپ نے زیادہ تر غزل اور نظم میں طبع آزمائی کی اور اپنی شعری اصلاح استاد محترم حسین شہزاد سے لیتے رہے اور اب تک لے رہے ہیں۔ آپ کا کلام کافی زیادہ اخبارات یعنی جنگ، دنیا، ایکسپریس اور روزنامہ ملتان وغیرہ میں شائع ہو چکا ہے

غزل

فون پر باتیں جو کر کے سر ہمارا کھائے خوب
 سامنے آ کر نہ جانے کس لیے شرمائے خوب
 گھر کے بوڑھے اور شجر سرسبز رہتے ہیں سدا
 زندگی کی دھوپ میں دونوں ہی کے ہیں سائے خوب
 زندہ دل نے گلستانِ شعر سے خوشبو چُنی
 اور مرجھائے دلوں نے نسترن مہکائے خوب
 باغباں! تیری نگہ بانی میں ہم مرجھا گئے!
 اور جو بے رنگ و بوتھے، تو نے سب مہکائے خوب

☆☆☆

غزل

جو بھی دلکش ہیں نظارے سارے
 کر دیئے نام تمہارے سارے

غزل

ہوتی ہے ترے ساتھ ملاقات مسلسل
 رہتے ہیں تبھی وجد میں دن رات مسلسل
 فی الحال محبت کے نشانے پہ ہوں میں اور
 حالات لگائے ہوئے ہیں گھات مسلسل
 سامع مرے شعروں کو غزل سمجھا ہے لیکن
 کرتا ہوں میں خود سے ہی سوالات مسلسل
 ہر جا پہ ہی اس شخص کی تحسین ہوئی ہے
 جو شعر و ادب کی کرے خدمات مسلسل

اک تیرا یہ غم کم ہی نہیں ہوتا ہے اور پھر
 بڑھتی ہی چلی جائے ہے یہ رات مسلسل

☆☆☆

غزل

در بدر کیوں خلد کی خواہش میں بھٹکوں
وہ تو میری ماں کے قدموں میں پڑی ہے

خواب میں دیکھا مصیبت میں ہے بیٹا
صبح سے ماں میری سجدوں میں پڑی ہے

جب سے اپنی ماں کی خدمت کر رہا ہوں
تب سے قسمت سمجھو پاؤں میں پڑی ہے

خود تو چل کر آ گئے ہو شہر میں تم
اور ماں بے چاری گاؤں میں پڑی ہے

میں بھلا کیسے نہیں سجدے سے اٹھتا
ماں کی جب آواز کانوں میں پڑی ہے

☆☆☆

بے حجابانہ وہ چھت پر آئے
رقص کرتے ہیں ستارے سارے

کون کب ہوگا خفا، جانتے ہیں
دیکھے بھالے ہیں ہمارے سارے

وقت نے کیا مجھے آئینہ کیا
دور ہوتے گئے پیارے سارے

ہر ستم کا لیا بدلہ دل نے
قرض جتنے تھے اتارے سارے

اب بچی ہے تو فقط راکھ ہی راکھ
کبھی شعلے تھے شرارے سارے

آخرِ کار عظیم اس نے ہی
آپ کے کام سدھارے سارے

☆☆☆

غزل

بات بے بات کوئی بات بنانے والے
جانتے کیا ہیں مجھے میرا بتانے والے

فاتر العقل کو حق بات بتانے والے
ہم ہیں اندھے کو بھی آئینہ دکھانے والے

لوگ ہم کو کئی ناموں سے بلاتے ہیں مگر
ہم ہیں روتے ہوئے لوگوں کو ہنسانے والے

حسبِ توفیق مجھے نوج ہی لے گا ہر شخص
ڈھونڈنے سے نہیں ملتے ہیں بچانے والے

خود فریبی میں گرفتار ہیں یہ لوگ عظیم
اپنے منہ آپ ہی تعریف سنانے والے

☆☆☆

ختم شد